(تراجم ترکی)

آسیبِ اُلفت

(ایک ترکی افسانہ)

از

سیّد سجّاد حیدر

(یلدرم)

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء

قیمت فی جلد ۱۲ر

تصانیف سید سجّاد حیدر صاحب بی اے

خیالستان

(مختصر افسانوں اور مضامین کا مجموعہ)

مشہور اخبار زمیندار اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے :۔

"دار الاشاعت پنجاب نے اُردو پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے کہ ادیب جلیل سید سجاد حیدر صاحب کی مشہور و مستغنی عن التحسین کتاب خیالستان کا دوسرا ایڈیشن شاندار ساز و سامان کے ساتھ چھاپ دیا ...... ہمارا ذاتی عقیدہ ہے کہ اُردو زبان کی ادبیات لطیفہ میں خیالستان سے بہتر کتاب نہیں"

اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ہے قیمت ۸عہ

ثالث بالخیر

"یہ ایک ترکی فسانہ نگار احمد حکمت کے ناول کا ترجمہ ہے جو ملک کے مشہور ادیب سید سجاد حیدر صاحب نے کیا ہے۔ ترکی فسانوں کی لطافت و نزاکت تمام دنیا میں مشہور ہے۔ ترکوں نے ادب لطیفہ کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا ہے۔ یہ ناول اگرچہ چھوٹا ہے مگر جذباتِ لطیفہ کے لئے اپنے اندر بہت سامان رکھتا ہے۔" (اقتباس از اخبار زمیندار) قیمت .. .. ۸ر (طبع ثانی)

زہرا

یہ بھی ایک ترکی ناول کا ترجمہ ہے اور ترکوں کی معاشرت کا ایک اچھا نمونہ قیمت ۸ر (طبع ثانی)

آسیبِ الفت

تمہید

"آسیبِ الفت" میں عشق و محبت کے عنصر کو آسیب اور مُردوں کی روحوں کے تخیل سے ملایا گیا ہے۔ ابتدا میں اس افسانے کے پڑھنے میں تھوڑی سی اُلجھن ہوتی ہے، مگر پانچ چھ صفحوں کے بعد دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس الجھن کو کم کرنے کے لئے، میں یہ عرض کر دوں کہ فسانہ کس طرح شروع ہوتا ہے۔

ندیم، اک نوجوان ہے جس نے اب تک شہری زندگی بسر کی ہے۔ اُس کا ایک متموّل عزیز جو ایک خوش سواد دامنِ کوہ کے ایک گاؤں میں ایک عظیم الشان کوٹھی میں رہتا ہے، اچانک مر جاتا ہے اور اُس کی بیوی اُس کے مرنے کے بعد، غائب ہو جاتی ہے۔ ندیم، وراثتاً اُس کوٹھی کا مالک ہوتا ہے، اور اپنی نئی جائداد دیکھنے جاتا ہے۔ وہاں اُس سے کہا جاتا ہے کہ کوٹھی میں آسیب ہے۔ ندیم کے متوفی عزیز کی بیوی کا بھوت ہر رات اُس کوٹھی میں پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد افسانہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا۔

مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

س۔ ح۔

آسیب الفت

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶	۸	یہ نہایت	"یہ نہایت
۷	۳	اُن عورتوں سے اور جنھیں	اُن عورتوں سے جنھیں
"	۱۰	چاہتا ہوں	چاہتا ہوں"
۱۲	۱۱	ہاتھ رکھا ہوا تھا	رکھا ہوا تھا
۱۳	۵	اُن کا عشق و محبت	اُن کی عشق و محبت
۲۰	۱۲	اتنی ہی بہت ہیں یا نہیں	اتنی ہی بہت ہیں یا نہیں یہ کہنا مشکل ہے
"	۱۵	بہی بس صدا	بے صدا
۲۸	۱۱	عام گھر	تمام گھر
"	۱۲	گھماؤں	گھماؤ
"	۱۵	گڑبڑی ہے	گڑبڑ کیسی ہے
۳۳	۱۵	سینے میں ہے	سینے پر ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶	۵	جتنا کہ تصوّر	جتنا کر تو تصوّر
"	۱۵	قریب ہے اور	قریب ہیں
۳۷	۳	جن میں	جنھیں
"	۹	انسان کو کس قدر	انسان کس قدر
۴۶	۸	نہیں ہے	نہیں ہے"
۵۳	۱۰	ڈرپوک	ڈرپوک !
۵۴	۱۵	حنا کے درخت	چنار کے درخت
۵۷	۸	نوجوان عورت ؟	نوجوان عورت ؟"
۵۸	۶	نکھری	بکھری
"	۸	جنت کے	"جنّت کی"
"	۱۰	روح، تو ساتھ	روح کو ساتھ
۵۹	۶	جن میں	جنھیں
۶۱	۳	یہ زمانہ	کہ یہ زمانہ
"	۱۳	بھلائی	پھیلائے
۶۴	۳	کارراز	کارانہ
۶۵	۹	غریب	عزّت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۵	۱۵	کی عادت	سے عبارت
۷۱	۱۲	کابوس	مایوس
"	۱۳	وہ سامنے	وہ جو سامنے
۷۲	۱	کردیتی ہی	کردیتی ہیں
"	۹	شیطان	شیطان کا
۷۳	۵	اُٹھا سے	تھا اُسے
۷۴	۸	ہنسا	ہنسنا
۷۸	۳	پیشانی	پیشانی کو
۸۳	۶	بعد وہ سیاہ	بعد سیاہ
"	۱۰	معلوم ہوتی تھی	معلوم ہوتی تھی جا رہی تھی
۹۳	۴	وہ جو میری آنکھوں سے عشق کی شراب	× ×
"	۵	کو پیے چلا جا رہا ہی	× × ×
"	۶	اس لباس	اس سیاہ لباس
۹۵	۱۱	وہ چیز	وہ ہر چیز
۱۰۷	۱۱	کر سکو گی ؟	کر سکو گی ؟"
۱۰۸	۸	لاجورد، آسمان	لاجورد آسماں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۱	۱۳	بجھے زندگی	اور اُسے زندگی
۱۱۲	۵	کیف	کیفیت
۱۱۵	۶	ہم	"ہم
〃	۸	رہیگا	رہیگا"
۱۲۵	۱۲	ایذا	ابتدا

آسیبِ الفت

آسیبِ اُلفت

---

(۱)

یہ گھر ایک معمّا ہے اور خزینۂ اسرار۔ خالی اور تاریک صوفے، نیچی چھت کے چوڑے ڈرائنگ روم۔ پھر ان صوفوں، ان کمروں غرض کہ نئی پرانی چھوٹی بڑی ہر چیز پر ایک عجیب وغریب فسوں طاری و ساری ہے۔ ایک ایسا افسوں کہ جو انسان کے اعصاب تخیّل، اور فکر پر ایک مدہوشی طاری کر دیتا ہے۔ میں ایک شیریں سُستی و نیم خوابی کے اندر ہوں۔ یہ گھر ایک افیونی کی پینک کے خیالات یا مشرق کے افسانوں سے مشابہ ہے۔ اسقدر رنگ، اسقدر سایہ، اسقدر ریشم اسقدر قالین اور خیال آرا چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ جب سے یہاں آیا ہوں میری یہ جرأت نہیں ہوتی کہ کسی چیز کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھوں۔

کمرے ابھی تک اُسی حالت میں ہیں جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔ کیونکہ ایک تاریک گول کمرے میں داخل ہو کر جب میں اس کی تصویر کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو وہ اپنی غیر معمولی سیاہ، روشن آنکھوں سے، اپنے آتشیں سرخ ہونٹوں کے درمیان میں سے چمکنے والے دانتوں سے جن سے کہ بجلیاں گرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ میرا شکریہ ادا کرتی نظر آتی ہے۔

(۲)

کمرے پر چوڑے اور پرانے درختوں کا سایہ پڑ رہا ہے۔ میں اُس کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوں جس پر چڑھی ہوئی بیل نے قریب قریب اُسے چھپا دیا ہے۔ کھڑکی کے شیشے اور بیل کی شاخ کے درمیان چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ میں اُن کا شام کا گانا سُن رہا ہوں۔ ہوا تیز پتوں کی کھڑکھڑاہٹ، اور اُن کی سبز لہر کو حرکت دے کر ایک تازہ خوشبو کے ساتھ کھڑکی میں چھن چھن کر آتی ہے اور میری گرم پیشانی کو اپنی ٹھنڈی نوازش سے آرام دے کر کمرے میں منتشر ہو جاتی ہے۔ میں کمرے میں ایک بیقرار عورت کی طرح بے صبری کے ساتھ مگر کھلے پاؤں اِدھر اُدھر پھر رہا ہوں۔ پیانو کے اوپر موم بتی کے شمعدان رکھے ہوئے ہیں۔ اور اُن شمعدانوں پر ریشمین شیڈ ہیں۔ دیواروں میں ہندوستان کے ریشم کی

کڑھی ہوئی چادریں اور ساڑیاں اک گہرا رنگ پیدا کر رہے ہیں۔ ان کے کنارے تک پہنچتا ہوں۔ پیانو کے گانے کی کتاب کے ورقوں کو بے پروایانہ ادا سے اِدھر اُدھر پلٹتا ہوں۔ اُسے چھوڑ کے میز کی طرف جاتا ہوں۔ باریک پورسلین کے گلدان میں لالے کے پھول پر جھکتا ہوں۔ ہَوا اُس کے نازک، ریشمیں سُرخ پتوں میں گھُسکر ایک معطر سانس کی طرح پھرتی ہے۔ ریشم، اطلس، کاغذ، پھُول، بادِ صبا کی اس رنگ و بو پھیلانے والی نوازش سے سرخوش و بدمست معلوم ہوتے ہیں۔ میز پر چینی کی ایک عورت رکھی ہے۔ جس کے سر پر ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ میری سُست اُنگلیاں اُس کتاب کے ورقوں کو الٹا پلٹا کرتی ہیں۔ کمرے میں جو چیزیں بھری ہوئی ہیں اُن پر متروک اشیا کی بیچارگی نہیں برستی۔ سب نئے منظم اور خوبصورت ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن فسوں کار ہاتھوں نے شاید ایک دن پہلے، بلکہ کچھ گھنٹہ پہلے، اُن کی خوبصورتی، انتظام اور شعریت کو درست کیا تھا۔ میرے سر میں بہت درد ہے۔ میری گرم اور آتشیں پیشانی کھڑکی کے سلاخوں سے لگ کر پتوں کی ٹھنڈک سے شفا کی طلبگار ہے

....

"ندیم تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

میں اپنی آنکھوں کو آہستہ آہستہ کھولتا ہوں۔

"حسینہ جب مری ہے میں شہر میں تھا۔ یہ کوٹھی میرے چچازاد بھائی کی تھی۔
مجھ سے کہا گیا کہ میں اُس کا تنہا وارث ہوں۔ میں نے اس کوٹھی کی اکثر لوگوں سے
تعریف سُنی تھی۔ اور جب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کوٹھی میری ہو گئی تو میں نے کہا
چلو ایک دفعہ اُسے جا کے دیکھوں، اگر پسند آئی تو یہ گرمیاں وہیں گذارونگا۔
اور ہر سال گرمیوں میں وہیں جایا کرونگا۔ اور اگر پسند نہ آئی تو بیچ دونگا۔"

"تو پھر اب تمہاری نیت کیا ہے؟"

یہ نہایت خوبصورت جگہ ہے، کیوں؟ مجھے تو بیحد پسند آئی حقیقت میں یہاں
آکر میری طبیعت میں اک شگفتگی پیدا ہوئی۔ میں تو یہاں سے جُدا ہونا نہیں چاہتا۔
حسینہ کی زندگی جو سب کے لئے ایک راز تھی اور خاصکر اُس کی موت، میں
ان چیزوں میں، ان سایوں میں، ان رنگوں میں تلاش کرنا اور مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔
میرے لئے یہ ایک مشغلہ ہو گیا ہے۔ شہر کی زندگی سے یہ تنہائی کی زندگی
مجھے زیادہ لطف دیتی ہے۔ اور پھر اس عورت کا اپنی تمام خصوصیات کے
ساتھ، اپنی روح کے "پیچ و تاب کے ساتھ" اپنے ابتلاء عشق کو ان چیزوں میں چھوڑ کر
اک سایہ، اک افسانہ، اک پری کی طرح درمیان میں سے چلا جانا، غائب ہو جانا

کس قدر عجیب ہے۔ یہ غیر معمولی حسین عورت جسے میں نے نہ کبھی پہچانا اور نہ پہچانونگا۔ مجھے شہر کی قہقہہ مارنے والی، تسخیر و فتح کرنے والی، آدمی کو دیوانہ کر دینے والی تمام جانی پہچانی عورتوں سے اور اُن عورتوں سے اور جنھیں آیندہ جانوں پہچانوں گا اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہاں سے ہٹنا۔ جہاں اُس نے اپنی زندگی بسر کی، اُس کی سرگزشتِ حیات معلوم کئے بغیر اُس کی پُر اسرار زندگی اور اُس سے زیادہ پُر اسرار موت کی تفصیلات کا علم حاصل کئے بغیر میں اس جگہ سے جانا نہیں چاہتا۔ ہنو مت۔ ہنومت۔ شاید تمھارا ہنسنا غلط بھی نہیں۔ تمھیں میرا یہ سب کچھ کہنا ایک بہانہ معلوم ہوتا ہوگا۔ سچ ہے، تم یہی خیال کرتے ہوگے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شہری زندگی سے میں اکتا گیا ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ اپنی روح کو اب میں کچھ آرام پہنچانا چاہتا ہوں۔

اس کتاب کو جو میری نظر کے سامنے تھی پڑھنے کے لئے پنجوں کے اوپر اور زیادہ اونچا ہو کر میرے دوست نے کہا "مگر ندیم گاؤں کی زندگی جس کی آپ اس قدر تعریف کر رہے ہیں۔ مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتی"۔

"یعنی؟"

"میں یہاں ایک رات نہیں گذار ونگا۔ میں تو شہر کے اژدہام اور شور و شغب

کو ترستا ہوں۔ وہیں جاؤنگا"

(۳)

اُس کے آتشیں ہونٹ جو اُس کے گلے کے ہار کے یاقوت کی طرح سرخ ہیں اُس کی چمکدار سیاہ بڑی بڑی آنکھیں۔ اُس کے ہلکے سُرخی مائل سیاہ بال اُسکے چہرے اور سر میں اک ناقابلِ برداشت کشش اور قوت پیدا کر رہے ہیں یہ خوبصورت تصویر انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اپنے ساتھ وابستہ کر لیتی ہے۔ اور وہ فریاد کرتا رہ جاتا ہے۔ کسقدر عجیب، کسقدر صاحب قدرت تصویر ہے میرے ہاتھ دروازہ کھولنے کے دستے پر ہیں۔ مگر میں اُسے گھما نہیں سکتا۔ میری نظریں اُس تصویر پر گر گئی ہیں۔ میری تمام قوتِ باصرہ وہاں جا کے جمع ہو گئی۔ میری قوتِ ارادی اُس تصویر سے جا کر بندھ گئی۔ میں باہر جانے کے لئے دستے کو گھما بھی نہیں سکتا۔ صرف نہایت گہری اور لمبی نظروں سے اُس تصویر کو دیکھ رہا ہوں۔ شام کا آفتاب اپنی کمزور شعاعیں ان سبز پتوں میں سے چھن چھن کر تصویر کے نیچے گہرے رنگ کے رنگین منڈھے ہوئے کوچ اور چھوٹے اور بڑے ریشمی کشن اور تکیوں پر ڈال رہا ہے۔ کونے میں ایک بڑے پنجرے میں ایک پرانا کاکاتوا اپنی آنکھیں بند کئے اپنی چونچ پر دمیں گھسائے ہوئے سو رہا ہے۔ اُس کے پروں

کے رنگ مشرقی افسانوں کے باغوں کے رنگوں کی یاد دلا رہے ہیں۔ اور یہ عورت کا چہرہ اپنی محترز، اندیشہ ناک نظروں سے جس سے حرارت اور آتش برس رہی ہے کمرے کی ہر چیز پر نظر ڈال رہا ہے۔

ان آنکھوں سے جو شعاعیں برس رہی ہیں۔ ہم سب اُسی کی تاثیر کے تحت میں ہیں۔ ہاں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر ان نظروں کے جادو نے مجھ پر اثر کیا ہے۔ کمرے کی تمام چیزیں بھی اُتنی ہی اُس سے متاثر ہیں۔ کونے میں رکھے ہوئے میزوں کے اوپر استادہ چھوٹی تپائیوں پر قالین کے اوپر سنگ مرمر یا آبنوس کی ٹھیکوں کے اوپر رکھے ہوئے گلدستے چینی کی بنے ہوئے چھوٹی چھوٹی رقصاں عورتوں، اماذنوں اور شکاری کتوں، بندروں کے بُت مٹی کے پیتل کے بنے ہوئے دیوتا اور دیویاں، مرد اور عورتوں کے سینہ تک کے بُت۔ غرض کہ یہ سب اُس جادو بھری نظر کے نیچے تھرتھراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کمرے کی ہر چیز میں گل دان ہو یا گل، نشستِ ہیکل ہو یا ہیکل ہر چیز میں اُسی سحّار، فسوں کار، نظر کا اثر تھا، ہاں! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیوار کی تصویروں سے لے کر پیتل، پورسلین، چینی، مٹی، سنگِ مرمر اور ریشم کی اُن تمام چیزوں میں اک خفیہ، اک پُر اسرار آثارِ زندگی تھے۔ دیواروں پر چین اور جاپان

کی صنعت کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ جن میں پستہ قد ترچھی آنکھوں والی عورتیں اور وہ عجیب عجیب پرند، جو خوابوں میں دیکھے ہوئے عجیب حیوانوں سے مشابہ تھے، نظر آتے تھے۔ غرض کہ میں یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کمرے میں جو بھی ہے اور جہاں بھی ہے وہ پُراسرار، طلسم انگیز، رنگین اور پُرافسوں ہے۔ ہر چیز ایک ایسے گہرے راز کے لئے، جس کی گہرائیوں تک انسان کی آنکھ نہیں پہنچ سکتی حرکت کرتی اور متجسس معلوم ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا محبت کر رہی ہے۔ یا نفرت کر رہی ہے۔ ہنس رہی ہے۔ رو رہی ہے یا رنجیدہ ہے۔ بیشک، بیشک ان سب چیزوں میں زندگی معلوم ہوتی تھی۔ میرے ہاتھوں میں کواڑ کھولنے کا دستہ تھا لیکن میں اُسے گھما نہیں سکتا تھا۔ میری آنکھیں ابتک اُسی تصویر پر گڑی ہوئی تھیں جہاں اک شایانِ پرستش، سحر باز، سر تھا۔ اور جس سر کے اوپر چمکدار فاسفورس سے بھرے ہوئے بال نظر آ رہے تھے۔ اور دو دہکتے ہوئے ہونٹ تھے جو حرارت پھیلا رہے تھے۔ دو گہری اور سیاہ آنکھیں تھیں جو مشعلِ سوزاں معلوم ہوتی تھیں۔ اور یہ آنکھیں اس تمام کمرے کی زندگی کو احاطہ کئے ہوئے معلوم ہوتی تھیں۔

....

"حضور! بس کافی ہے، اس تصویر کو اسقدر نہ دیکھئے!"

میرے کندھوں پر دو بڈھے ہاتھ آکر لگے۔ جنھوں نے مجھے چونکا دیا۔

"کیوں؟"

"جس دن سے وہ گئی ہے ہر روز سویرے کوچ کے تکیئے اور بیٹھنے کی جگہ ہمیں گرم اور نم معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں؟"

خادمہ کی آنکھوں میں ڈر اور وحشت بھری ہوئی تھی۔ چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"جی ہاں، گرم اور نم۔ سمجھے آپ، بھیگے ہوئے بھی ملتے ہیں۔ وہ ہر رات جب سے مری ہے یہاں آکے روتی ہے۔ ہر رات اس مصیبت کے دن کے بعد یہاں آتی ہے۔" میں جواب نہیں دیتا۔ خادمہ کے سوکھے ہاتھ میرے کندھوں کو اس کی سوکھی آواز میرے کانوں کو ٹھیس لگاتی ہے۔

"جی ہاں جس دن سے وہ مری ہے ہمسایہ کے تمام گھروں میں اک خوف طاری ہے۔ وہ کہتے ہیں ہر رات اک عورت روتی ہوئی، فریاد کرتی ہوئی، باغوں میں، جنگل میں، نظر آتی ہے۔ اس کے بال، اس کے ہونٹ، اس کی آنکھیں آگ کی طرح دھکتی ہوتی ہیں۔ دو تین دن کا ذکر ہے۔ گاؤں کی مسجد سے ایک بیچارہ بڈھا عشا کی نماز پڑھ کے نکلا تھا۔ صبح حوض کے پاس اسے بیہوش پڑا پایا جب

اُسے ہوش آیا تو اُس نے کہا۔ کہ ایک عورت سفید کپڑے پہنے مجھے نظر آئی۔ اور روتی تھی۔ فریاد کرتی تھی۔ مجھے کھینچ کے وہاں سائے کی طرف لے گئی۔ اور جب میں نے اُسے پہچانا کہ وہ کون ہے تو میں ڈر کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑا پچھلی چاندنی رات میں گاؤں کی لڑکیاں میدان میں کھیل رہی تھیں ہنس ہنس کے گا رہی تھیں کہ اتنے میں ایک عورت سفید کپڑے پہنے روتی ہوئی آئی۔ اور ہاتھ بڑھا بڑھا کے التجا کر کر کے اُن سے کچھ مانگتی تھی۔ پھر تھوڑے ہی دن ہوئے پہاڑی کے اوپر جو سفید کوٹھی ہے۔ وہاں کا ایک بچہ ایک دن اپنے پالنے میں مُردہ پایا گیا۔ بچہ بیمار نہ تھا۔ اُسے کوئی تکلیف نہ تھی۔ صبح انّا نے جو اُسے دیکھا تو کیا دیکھتی ہے کہ ہاتھ اُس کے نیلے ہو گئے ہیں اور اپنے سینہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ صرف ہاتھ نیلے ہو گئے تھے اور اُنھیں اپنے سینہ پر قلب کی جگہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔"

خادمہ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ دیوار کی تصویر کی طرف بڑھا کے کہتی ہے۔ "لوگ کہتے ہیں کہ وہ مار گئی۔"

خادمہ دیر تک خاموش رہتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمرے کی ہر چیز خادمہ کی پرانی اور بڈھی آواز کو سُن رہی ہے۔

"تو جو حسینہ کے لئے کہا جاتا ہے یہ سب صحیح ہے؟ کیا اُس نے اپنے خاوند کو قتل کیا؟"

"میں نہیں کہہ سکتی مگر مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔ حسینہ اُسے دیوانہ وار چاہتی تھی۔ اُن کا عشق و محبت ہر شخص کے لئے ایک مثال ہو چکی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے لئے زندہ تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہنستے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ روتے تھے۔ حسینہ کو کبھی اس بات کی آرزو نہیں ہوتی تھی کہ جس شہر سے وہ آئی ہے۔ وہاں پھر جائے۔ وہاں سیر و تماشہ سے دل بھلائے، پرانے عزیزو اقارب سے ملے۔ نئی چیز دیکھنے۔ نئے مقامات کی سیر کرنے۔ نئے لوگوں سے ملنے کی کوئی آرزو و خواہش نہ تھی۔ اُس نے ہر سیر و تماشہ کو دنیا کے تمام لطف اور لذتوں کو جان کر اور سمجھ کر اپنے ہاتھ سے ترک کر دیا تھا۔ حسینہ ایک خوشخرام لڑکی تھی۔ وہ ایک عورت تھی جو چاہتی تھی اور چاہی جاتی تھی۔ اُس سے ایسا کام ممکن نہیں۔"

یہ کہہ کے سانس لینے کے لئے رُکتی ہے اور پھر گویا اُس کی نظر کے سامنے کوئی خیال آجاتا ہے اور پھر کہنا شروع کرتی ہے:—

"میں یہاں نہ تھی۔ گاؤں اپنے بچوں کے پاس گئی تھی۔ کہ ایک دن سویرے

میں نے سُنا کہ وہ مر گیا اور حسینہ غائب ہو گئی میں فوراً دوڑی دوڑی آئی۔ گھر میں ایک پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ جنازہ ابھی اٹھایا نہیں گیا تھا۔ گاؤں والے اور نوکر حسینہ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ باغوں میں، جنگل میں، میدان میں، سڑک پر، ہر جگہ ڈھونڈھا۔ رات کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اور کسی کو معلوم نہیں ہوا تھا۔ کہ کیا ہوا۔ صبح جو لوگ اُٹھے تو دیکھا کوٹھی کے سارے دروازے کھلے پڑے ہیں اور مردہ اس کوچ پر پڑا ہوا ہے۔ کیسے مرا، کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ کہیں اُسکے زخم بھی نہ تھا۔ اتنا تو ضرور تھا کہ پلنگ کے اوپر سے نیچے سیڑھیوں تک اور سیڑھیوں سے صحن تک اور وہاں سے باغ تک اور پھر باغ سے آگے میدان تک خون کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ بس اسقدر۔ حسینہ کا پتہ چلانے کے لئے جتنی کوشش کی گئی سب بے فائدہ نکلی۔ صرف اتنا تو ہوا کہ پہاڑ سے جو چشمہ بہتا ہوا آتا ہے اسکے کنارے اُس کی کالی شال کی چادر پڑی ملی۔ اُس کا مُردہ کسی کو نہ ملا۔ اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں چلی گئی۔ مگر (یہاں خادمہ کی آواز گویا وہ ایک مبہم اسرار سے مجھے واقف کر رہی ہے نہایت دھیمی ہو گئی تھی) اُس کے بعد ایک دن تمام گھروں میں، تمام ارد گرد کے گاؤں کے امیروں کی کوٹھیوں میں، باغوں میں ایک خوف پھیل گیا۔ کوٹھی کے رہنے والے اور جھونپڑوں کے رہنے والے ہر شخص یہ کہتا ہے کہ

رات کو ایک عورت سفید کپڑے پہنے ہوئے میدان میں اور پہاڑی پر پھرتی ہوئی روتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہانتک کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عورت کے بال اور آنکھیں اور ہونٹ اور دانت رات کی تاریکی میں آگ کی طرح دہکتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور حضور! پھر ہم نے بھی یہ دیکھا کہ ہر روز سویرے یہ کوچ گرم اور بھیگا ہوا نظر آتا تھا۔ اور ہم مارے ڈر کے رات کو اپنے کمرے سے نہیں نکلتے۔ کیونکہ ہر رات وہ یہاں پھرتی ہوئی اور روتی ہوئی دکھائی دیتی ہے"۔

خادمہ سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتی ہے اور کہتی ہے۔ حضور ہنسئے نہیں"۔

"نہیں نہیں، میں ہنس نہیں رہا بڑی بی"۔

اور حقیقت میں میں ہنس نہیں رہا تھا۔

(۴)

ہاں، یہ اُس کا مزار ہے، یہ اُس کا مزار ہے جس نے اُس عورت کو اس قدر چاہا، اور کیا معلوم اسی عورت کے ہاتھوں، اُسی کے زانوؤں پر جان دی ہو، یہ اُس آدمی کا مزار ہے۔ سفید پتھر پر سُنہرے حروف میں اس کا نام کندہ ہے۔ اس آدمی کی قبر کے پاس ہی اک چشمہ ہے جس پر کسی صاحبِ خیر نے دہانہ لگایا ہے۔ میں اپنی آنکھیں کچھ کھولے کچھ بند کئے اس ترنم کو سنتا ہوں جو کسی غیر ملک کی موسیقی

سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ میری اُنگلیاں، اس موسیقی کی ٹھنڈی دھار میں پڑکر سرور حاصل کرتی ہیں۔

آفتاب سرو کے درختوں میں سے چھن چھن کر، زمین کے زمردیں فرش پر پڑ رہا ہے۔ سنگِ مزار خاموشی سے کھڑے ہیں۔ مگر جھینگر کی گستاخ آواز یہاں تک آ رہی ہے۔

یہاں ہر چیز پر خاموشی طاری ہے اور ہر چیز یا سبز ہے یا سفید، یا زرد۔

ان تین رنگوں کے آہنگ میں، اُس کے مزار کا سُرخ پھُول خلل انداز ہے۔ میں نے کہا خلل انداز ہے؟ نہیں غلط کہا، اس آہنگ کو پورا کرتا ہے۔ مزار کا گُل سرخ، اک مست و مدہوش کرنیوالی خوشبو پھیلا رہا ہے۔

میں اس آدمی پر جو اس مزار میں سو رہا ہے رشک کرتا ہوں، اپنی زندگی اس نے اُس آتشیں عورت کے ساتھ گذاری اور اب اس آتشیں پھول کے نیچے پڑا سو رہا ہے۔

میں اُس کی زندگی کو تصور میں لاتا ہوں۔ یہ خوبصورت پھُول جس طرح اُس کے مزار کو زینت دے رہا ہے۔ جب وہ زندہ تھا تو اسی طرح حسینہ، جو تمام خوبصورت عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اسی شفقت و نرماہٹ، اسی اہتمام و صداقت کیساتھ اُسکی زندگی کو آراستہ و مزین کر رہی ہوگی۔ ان کی زندگی کے حالات معلوم کرنے

کے لئے، میرا حسرت زدہ دل، کسقدر بیتاب ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ جب میں اُس کی طرح، زمرّدیں خاک کے نیچے جا لیٹونگا، تو میرے مزار پر کوئی سُرخ پھول نہ کھلیگا۔ کیونکہ زندگی میں کوئی سُرخ پھول میرا شریکِ حیات نہ ہوا۔ میری قبر، بالکل اور قبروں کی طرح ہوگی جو یہاں، ان سبز درختوں کے سائے میں پھیلی پڑی ہیں۔ سفید یا زرد، ایک یتیمیّت کے ساتھ فاتحہ کی طلبگار ہیں۔ اور سفید ہیں یا زرد۔ جن آدمیوں نے نہ چاہا، اور نہ وہ چاہے گئے، اُن کے مزار ایسے ہی ہوتے ہیں سفید یا زرد۔

جس طرح زندگی میں خوش و خرّم یا بدبخت لوگ ہوتے ہیں۔ مزارِ عدم میں بھی یقینی ایسے ہی ہوتے ہونگے۔ پھر میری طرح بھی ہوتے ہونگے۔ جن کی زندگی محض رائگاں۔ بیکار جئے اور بے فائدہ مرے۔ کسی کام کی نہیں۔ نہ خوش نہ بدبخت۔ نہ کسی کو خوش کر سکے۔ نہ کسی کو بدبخت کر سکے۔ میں اس مردے پر رشک کرتا ہوں۔ میں اسکے گھر میں، ہر چیز میں، ہر کونے میں، ہر سایہ میں، ہر ریشمی پردے کی چُنّت میں، اُس کی حکایت محبت، اُس کی خوش بختی کو مطالعہ کرتا ہوں اور یہ حسد یہانتک مجھے کھینچ کے لایا ہے۔ میں اُس کی قبر تک آیا ہوں۔ میں خیال کرتا تھا کہ یہاں میں اُسے تنہا پاؤنگا، مگر اُف! یہاں بھی اک سُرخ پھول اس کے مزار کا مجاور ہے۔

یہ آدمی اُن لوگوں میں سے ہے جنہیں خدا خوش بخت و کامران ہونے کے لئے پیدا کرتا ہے۔ دیکھو چشمے سے کیا لطیف آواز پیدا ہو رہی ہے۔

مگر میں بچّے کی طرح خیال پرور، شاعر کی طرح اسیر جذبات ہو گیا! عشق! محبت کرنے والی عورت! چاہنے والا قلب! یہ سب ہوائی باتیں ہیں۔ کیونکہ خوش ہونے اور خوشی سے زندگی بسر کرنے کے لئے ہر شخص اُن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جہاں یہ چیزیں نہیں، وہاں بھی خوشی ہوتی ہے جو تنہا، اور بے یار، زندگی بسر کرتے ہیں اُن کی بھی مخصوص لذّتیں اور لطف ہیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، اور میں بدبخت نہیں ہوں۔ مثلاً انھیں سروں کے نیچے بیٹھا، اس پرانے چشمے کی افسانہ گو آواز کو سُن رہا ہوں، منہ میں سگرٹ ہے۔ اس کا دھواں آسمان کی طرف جا رہا ہے، اس کی سیر کر رہا ہوں۔ یہ عالم کسقدر کیفیت زا ہے میں خود اپنے دل سے پوچھتا ہوں "یہ کیا کچھ کم مسرّت ہے؟"

اور نہیں تو کیا ہے میں کسی کا پابند نہیں۔ نہ کسی کے متعلق فرایض مجھ پر عائد ہوتے ہیں۔ نہ کوئی مجبوریت ہے۔ آزاد ہوں۔ سر ہے سودا سے تہی۔ اور اُسے میرے دونوں کندھے اٹھائے ہوئے، جہاں میں کہتا ہوں۔ وہاں لے جاتے ہیں۔ یہ میرا آوارہ و بیقرار جسم کسی کے لئے باعثِ اندیشہ و فکر نہیں۔ عشق سے دل ہے

خالی۔ میرا تندرست اور مضبوط دل جو کسی کا گرفتار نہیں، ہر وقت اس کوشش میں ہے کہ میری سادہ زندگی کو قائم رکھے۔ اور میرے خون کو منظم طریقے پر گردش میں رکھے۔ ہاں میرا دل، جو صرف میرا ہے۔ اور جو صرف میرے لئے دھڑکتا ہے! میرا تندرست، صحیح المزاج قلب!

مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر حسینہ، اس وقت میرے سامنے آکھڑی ہو، ہاں اگر اس وقت حسینہ زندہ ہو جائے۔ اور میں اُسے پہچان لوں۔ اور وہ میرا دل مجھ سے مانگے۔ تو میں بلاتردد اُس کے حوالے کر دوں۔

افسوس! میں نے بے خیالی میں۔ مزار کا وہ سُرخ پھُول توڑ لیا۔ وہ خوبصورت پھُول میرے پاؤں تلے پڑا ہے۔

. . . .

میں بھی عجیب آدمی ہوں۔ اپنی زندگی حسین سے حسین عورتوں میں گذاری، ان میں سے کسی سے مربوط نہ ہوا۔ اور اب یہ حسرت لئے بیٹھا ہوں کہ کاش حسینہ زندہ ہوتی تو اپنا دل اُس کی نظر کرتا۔ عورت جب میرے پاس ہوتی ہے تو اُس کی قدر نہیں جانتا۔ ہزاروں عورتیں جو زندہ ہیں اُن کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ اور ہے تو ایک مری ہوئی عورت کی۔ جسے نہ کبھی دیکھا۔ نہ پہچانا۔

یہ عورت میرے دل میں، اضطراب انگیز، عذاب انگیز، الم انگیز جذبۂ رشک پیدا کر رہی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اگر حقیقت میں میں کسی عورت کیساتھ محبت کر سکتا تھا، تو وہ تھی، اور وہ گئی۔

کوئی شبہ نہیں کہ میں بالکل اسیرِ خیال ہو گیا۔ ایک عشق کی حسرت میں تڑپ رہا ہوں، جو بے بنیاد ہے۔ موہوم ہے۔ اور یہ حسرت روز بروز بڑھ کر مجھے اور زیادہ تڑپاتی ہے۔

اے بیچارے ندیم! تو ایک ایسی عورت کی تلاش میں ہے جو تجھ سے اسقدر محبت کرے جتنی حسینہ نے اُس سے کی۔ تیرے دل میں جو یہ حسرت و حسد کا طغیان ہے۔ وہ حسینہ کی شخصیت کے لئے نہیں۔ تجھے اُس محبت سے حسد ہے۔ اُس محبت کی حسرت ہے۔ ورنہ دنیا میں، اسی دُنیا میں جس سے تو ہمیشہ بیزار رہا حسینہ جیسی دل کش عورتیں بہت۔ مگر حسینہ کی طرح چاہی جانے کے قابل عورتیں اتنی ہی بہت ہیں یا نہیں۔ اُس کا گھر، سرتاپا ایک نغمۂ محبت ہے اس گھر کی ہر چیز زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ ایک چاہنے والی عورت نے۔ ایک محبوب مرد کے لئے اس گھر کو سجایا۔ اُسے آراستہ کیا ہے۔ ہر چیز، کُشن، تکئے، قالین، ریشم، پردے، چادریں، یہی بس صدا نغمہ کا رہیں کہ حسینہ نے اُس مرد کو کس گھڑی، کس لطیف و

دل آویز محبت سے چاہا ہے۔

مزار پر اک کلی اور ہے جو ابھی کھلی نہیں، اور جس کی سرخی ابھی قبائے گل میں سے جھلک رہی ہے۔ میرے ہاتھ میں جو پھول ہے اُسے سونگھتا ہوں۔ اُس سے حرارت زا خوشبو نکل رہی ہے آخر میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوں۔ اور سڑک پر پڑ لیتا ہوں۔ سر گرانی اور تھکن سے چور چور ہوں۔ ماہ اگست کا سورج مجھے پریشان کر رہا ہے۔

(۵)

کھڑکی کے پاس کے کوچ پر ہوں۔ آج چاند کیسا۔ روشن ہے رات زیادہ گذر گئی۔ پھر بھی مجھے نیند نہیں آتی۔ چاند، درختوں کی پتیوں پر گویا چاندی کے تاروں سے سلمہ ستارے کا کام کر کے اُن کو چمکا رہا ہے۔ حوض کے کنارے جو درخت ہیں، فوارہ کے پانی کی چھینٹیں اُن پہ چھڑک رہا ہے، ایک لمحہ نہیں ٹھیرتا۔ چاند کا عکس حوض کے پانی میں نہا رہا ہے، چاندنی پتیوں سے چھن چھن کے حوض پر پڑ رہی ہے۔ اور فوارہ کی چھینٹوں کو چمکا رہی ہے۔ ایک تنہا کونے کے درخت پر بلبل گا رہی ہے۔ اور ایسے خوبصورت اور دلکش طریقہ سے چہچہا رہی ہے کہ شاید میں غور سے سنوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے گانے کے الفاظ بھی سمجھ میں

آجائیں گے۔ رات میرے ساتھ، اُن کے نغمۂ محبت کو سُن رہی ہے، اور فوارے کی آواز ان بلبلوں کے گانوں کا ساتھ دے رہی ہے۔

آہ! میں چاہتا ہوں کہ رات کی ان تمام صداؤں کو سُنوں اُن کے نغماتِ عشق کو سمجھوں، اور اس شبِ ماہ کے حُسن و شعر کے ہم آہنگ ہو کر زندگی بسر کروں۔
میرے کانوں میں یہ کیا آواز آئی؟ شاید تیز ہوا پیدا ہوئی، اُس کی سَرسَراہٹ ہے۔ یہ زمین پر گرے ہوئے سوکھے پتّوں کی سَرسراہٹ کیسی ہے؟ باغ کی روش کی باریک بجری پر چلنے کی آواز کیسی ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یکایک فوارے میں جوش کیوں پیدا ہو گیا۔ اُس کی آواز کیوں تیز ہو گئی؟ اور پھر یکایک کیوں خاموشی ہو گئی؟
میں کھڑکی سے باہر سر نکال کے دیکھتا ہوں۔ باغ پر نظر ڈالتا ہوں کچھ بھی نہیں ہے۔ پُرانے درختوں کے حاسد پتّوں میں سے نکل نکل کے چاندکی روشنی اُسی طرح پڑ رہی ہے اور باغ کے حصّوں کو مُنوّر کر رہی ہے۔ باغ میں اونچے درختوں کا سایہ اُسی طرح پڑ رہا ہے۔ حوض کے پاس کوئی نہیں۔ مگر روش کی مٹی پر وہی چلنے کی آواز ہے۔ باغ میں کوئی پھر رہا ہے؟ کوئی چل رہا ہے؟ یہ کیوں ایک چڑیا ایسی بولی جیسے وہ زخمی ہو گئی یا ڈر گئی۔ کیوں گھونسلوں میں چڑیاں

خوف کی آوازوں سے بولنے لگیں۔

میں غور سے سنتا ہوں۔ بلبلیں بھی خاموش ہوگئیں۔ روش پر کوئی کمزور پاؤں سے۔ جیسے کہ کوئی بیمار چل رہا ہے۔ باغ میں ضرور کوئی پھر رہا ہے۔ میں اور جھک کے دیکھتا ہوں۔ مگر کچھ نظر نہیں آتا۔ درختوں کا سایہ بہت گھنا ہے۔ مگر یہ خفیف سی کراہنے کی آواز کیسی؟

باغ میں کوئی رو رہا ہے۔ سسکیاں لے رہا ہے۔ میرے باغ میں اس وقت کون اجنبی گھس آیا ہے۔ پیپتے کے درخت کے سائے کے اندر جگنو اُڑ کر چمک رہے ہیں۔ مگر...... میرا ہاتھ بے اختیار کھڑکی کے کنارے کو پکڑتا ہے ..... جگنو بہت سے ایک جگہ جمع ہوگئے ہیں۔ تاریکی میں اُن کے اُڑنے سے شکلیں بنتی معلوم ہوتی ہیں! اور کوئی بات نہیں میرا خیال غلط ہے۔ صرف جگنو ہی ہیں ... ... مگر عین میرے مقابل باغ میں دو آتشیں آنکھیں چمکتی نظر آتی ہیں۔ اور ان آتشیں آنکھوں کے اوپر بڑے بڑے اونچے چمکدار لہراتے ہوئے بال ہیں۔ چہرے کے اور خط و خال نظر نہیں آتے۔ اور خط و خال درختوں کے سائے میں گم ہو جاتے ہیں۔ جگنو بھی اُڑ کر کیا عجیب عجیب شکلیں بنا دیتے ہیں مجھے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ کیا ہوا میں سردی ہوگئی مجھ میں تھوڑی سی کپکپاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہوا تو چل

نہیں رہی، وہ آواز جو سسکیوں اور خاموش رونے سے مشابہ ہے۔ دُور ہو جاتی ہے وہ بیقرار پاؤں اُس آواز کو باہر میدان میں اور میدان سے بھی دُور لے جاتے معلوم ہوتے ہیں۔

دُور، وہ ندی جو پہاڑ سے اُتر کے آتی ہے۔ ایسی گہری آواز سے جیسے کسی نے اُس کا گلا گھونٹ دیا۔ خرخر کر کے بہہ رہی ہے۔ تمام رات، اس ندی کی تھکی ہوئی آواز۔ اور اس بدبخت رونے والی آواز کے سوا، اب کچھ سُنائی نہیں دیتا۔ میں کھڑکی کے چوکھٹے سے ٹیکا لگائے سُن رہا ہوں۔ میرا سر دھک رہا ہے۔ اور درد کر رہا ہے۔ بہت درد کر رہا ہے۔

(۶)

میرے کمرے کی کھڑکی کھُلی ہوئی ہے۔ باہر۔ گزشتہ رات کی طرح۔ چاندنی رات ہے۔ کیسی خوبصورت رات ہے۔ بُلبُلیں میدان میں گا رہی ہیں۔ حوض کا فوّارہ اچھل رہا ہے۔ چاند نے اُس کے پانی کو چاندی کا بنا رکھا ہے۔ دُور ہمیشہ کی طرح، ندی کا پانی شکایت کر رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔ رات خاموش، ہوا خاموش، پرند خاموش! صرف میرا دل زور سے دھڑک رہا ہے۔ اس رات ہوا مطلق نہیں۔ بُلبُلیں ایک دم کیوں خاموش ہو گئیں؟

میں اپنی جگہ سے اُٹھتا ہوں۔ فوّارہ ایک دفعہ زور سے اچھل کے خاموش ہو جاتا ہے۔ پتّے بگڑ کر ہلتے ہیں۔ اور کل رات کی طرح، پرند خوف زدہ ہو کر اڑتے ہیں۔ اور بھاگ جاتے ہیں میں کھڑکی سے نیچے کی طرف سر کرتا ہوں۔ غور سے دیکھتا ہوں اور سُنتا ہوں۔ وہی رونا اور سسکیاں بھرنا ہے۔ اس کے بعد وہی، روش پر قدموں کے چلنے کی آہٹ۔ حوض کا پانی جو ماہتاب کے نیچے ایک چاندی کے آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ ایک سائے کے نیچے آجاتا ہے۔ حوض سے مجھے کون دیکھ رہا ہے، یہ عورت کون ہے جس کا عکس حوض پر پڑ رہا ہے۔ اور جو سفید لباس پہنے ہے؟ اُف! اس کی آنکھیں، دانت، بال، فاسفورس کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ، اپنی آنکھوں پر پھراتا ہوں۔ یہ چیز جسے میں دیکھ رہا ہوں، کوئی واقعی شے نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز باغ میں اُڑنے والے جگنوؤں کا پانی میں پڑا ہوا عکس ہو گا۔ اپنی نظر باغ سے لوٹا کے کمرے میں لاتا ہوں میرا دل ایک لمحہ کیلئے ٹھہر جاتا ہے۔ میرے جسم میں اک سرد تھرتھراہٹ پھیل جاتی ہے۔ کان بجنے لگتے ہیں۔ میری آنکھیں جو خوف سے پھیلی ہوئی، اور کھلی ہوئی ہیں۔ اک نقطہ پر جاکر رُک جاتی ہیں۔ کمرے کے سائے میں، اُس دیوار کے اک کونے سے جس کے باقی حصے پر چاندنی پھیلی ہوئی ہے، اک سر، چمکیلی آنکھوں، اور آتشیں بالوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہنستا ہوں۔ میرے دماغ اور اعصاب بہت متاثر ہو گئے ہیں بہت خراب ہو گئے ہیں۔ جب ہی یہ حالت ہوئی۔ خوب زور سے ہنستا ہوں۔ کیونکہ جو آتشیں سر مجھے دیکھ رہا تھا۔ اور جس سے میں اس قدر خوف زدہ ہوا تھا۔ وہ تو صرف حسینہ کی تصویر تھی۔ اُس خوف سے چھٹکارا پانے پر جس نے ایک لمحہ پیشتر مجھے اسقدر پریشان اور وحشت زدہ کر دیا تھا میں اُس تصویر کے پاس جاتا ہوں۔

کیا میں نے کہا، پاس جاتا ہوں؟ نہیں، میں نہیں جاتا، تصویر مجھے کھینچتی ہے۔ نہایت قوت سے نہایت فریاد انگیز شدّت سے وہ مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس تصویر میں ایک غیر قدرتی قوت، ایک جہنمی کشش ہے۔

اب میں ایک بیمار کی طرح ہوں۔ جسے اُس زہریلی ہوا نے بیمار ڈال دیا ہے۔ جو حسینہ کی طرف سے یہاں ساری وطاری ہے۔ مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں۔ میں ان آنکھوں کے، اُس عورت کی شخصیت کے زیرِ اثر ہوں۔ جو اس گھر کی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ اور جو اب تک یہاں سے نہیں ہٹی۔ یہانتک کہ میں نے خیال کیا کہ جگنوؤں کی اُڑان میں بھی۔ ان مقابل کی آنکھوں، دانتوں اور بالوں کی آگ کو ہی دیکھتا ہوں۔

میرا ہاتھ اس بڑی تصویر کے سیاہ چوکھٹے کو پکڑے ہے۔ اور میری آنکھیں

سیدھی اوپر کو اٹھی ہوئی اُسے دیکھ رہی ہیں۔ اُف اس تصویر میں کس بلا کی، کس قیامت کی، فتنہ انگیز خوبصورتی ہے۔

....

میرے مقابل کی تصویر کے دانت، اور ٹھوڑی، سایہ میں غائب ہوجاتی ہیں۔ اور مجھے اُس کی آتشیں آنکھوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا میری نظروں پر تاریکی غلبہ کرتی ہے۔ تاریکی سامنے کی آنکھوں کی چمک کو غائب کر دیتی ہے۔ ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر میں یہاں ہوں۔

....

اور وہ بھی یہاں ہے، اسے میں محسوس کرتا ہوں۔

"کیا کوئی نہیں جو میری مدد کرے؟ کوئی مددگار نہیں؟ میں اپنی تاریکیوں میں سے گھسیٹتی گھسٹتی یہاں آئی ہوں۔ اپنی تاریکیوں کے ساتھ یہاں آئی ہوں؟ انسانوں کے درمیان آئی ہوں۔ میں ایک عورت ہوں جس نے محبت کی۔ جسکے ساتھ بہت محبت کی گئی۔

....

یہ کون بول رہا ہے؟ یہ آواز کیا ہے؟

تاریکی میں، میں مشکل سے آواز نکال سکتا ہوں۔ اب میں کھڑکی تک پہنچ جاتا ہوں۔ رات تاریک ہے۔ چاند ڈوب چکا ہے۔ رات پر خاموشی طاری ہے۔
ان تاریکیوں میں ایک سفید سایہ جاتا ہوا نظر آتا ہے۔

. . . .

"کون ہے وہاں؟"

میری آواز تمام میدان پر تھرتھراتی ہوئی جاتی ہے "کون ہے وہاں؟" غور سے کان لگا کر سنتا ہوں۔ مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ صرف قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے۔ روش کی بجری پر، سبز درختوں کے سایہ میں۔ پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ کھڑکی سے ہٹ کر، اس تاریکی میں میں دیوانہ وار دوڑتا ہوں۔ کوٹھی کا پرانا لکڑی کا فرش میرے پاؤں کے نیچے کھٹ کھٹ سے شکایت کرتا ہوا بیدار ہو جاتا ہے زینہ فریاد کر رہا ہے۔ عام گھر اس کھٹ کھٹ سے گونج اٹھا ہی بڑا دروازہ ایک بھاری گھماؤں سے کھلتا ہے اب میں صحن میں ہوں۔ میرے پاؤں کی آواز میرے پیچھے ایک گونج چھوڑتی ہے۔ گویا میرے پیچھے ایک ہزار آدمی دوڑتے آ رہے ہیں۔
اب میں باغ میں ہوں میں نے اُس سائے کو جس طرف دیکھا تھا اُس طرف دوڑتا ہوں۔ اب حوض کے پاس ہوں۔ میرے سر کے اوپر جود درخت ہیں۔ اُن میں یہ حرکت، یہ گڑبڑی ہے؟ اپنا سر اُٹھاتا ہوں۔

گہرے نیلے آسمان سے، چھوٹے بڑے پرند، اُتر اُتر کے اپنے گھونسلوں پر واپس آرہے ہیں۔ میں اب بھی دوڑ رہا ہوں۔ میدان میں نمناک سبزے کی ٹھنڈک پر کچھ جانور بیٹھے سو رہے ہیں۔ مجھ سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ میدان کے کنارے کے درختوں کو بھی اب میں پیچھے چھوڑ چکا ہوں۔

....

اور، اک سایہ، اک سفید، نازک سایہ نظر آتا ہے، مگر وہ مجھ سے بہت دور ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو جاتا ہے میں اپنے سر کو جس میں درد ہو رہا ہے، اپنے ہاتھوں میں لے کر رُک کر سُننے کی کوشش کرتا ہوں۔

....

(۷)

میں تختہ کی بنچ پر بیٹھا ہوا ہوں اور بالکل بے حرکت ہوں۔ میدان میں اور جنگل میں بالکل خاموشی طاری ہے۔ پانچ دن سے ہر رات کو اُس کا اپنی کھڑکی کے سامنے انتظار کرتا ہوں لیکن آج میں نے یہ فیصلہ کیا کہ صوفے کے پاس بیٹھ کر اُس کا انتظار کرونگا۔ کیونکہ وہ ہر رات یہاں آتی ہے۔ اُسے میں قریب سے دیکھوں گا۔ اُس کے ہاتھ پکڑونگا اور اس سے پوچھونگا کہ "تو کون ہے۔ اور کیوں یہاں

آتی ہے۔ اور کیوں میرے باغ میں آکے روتی ہے۔؟"

وہ کون ہے اور وہ کونسا سبب ہے جو اُسے راتوں کو سسکیاں بھراتا ہوا، رُلاتا ہوا پھراتا ہے؟ اب مجھے اس کا تو یقین ہو چلا ہے کہ یہ چیز، یہ شخصیت جس کو میں ہر رات دیکھتا ہوں، جس کی سسکیاں ہر رات سنتا ہوں یہ محض کوئی خیال کوئی وہم نہیں ہے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ سفید لباس میں ایک خوبصورت عورت ہر رات یہاں آتی ہے۔ میرے باغ میں، میرے گملوں میں، میرے درختوں کے سائے کے نیچے، پھرتی ہے۔ اُس کی آنکھونکی آگ تاریکی میں چمکتی ہے۔ اُس کی آنکھوں کی چمک میں ایک کشش ہے۔ کیا میں آج کی رات بیمار ہوں؟ میں نہیں کہہ سکتا۔ میرے سر میں درد ہے۔ اور میرے قلب کی ضرب میں اُس کی آمد کا انتظار۔ جس طرح کسی چیز پہ پھونک گذرے، ہلکی ہوا پتوں کے اوپر سے گزرتی ہے۔

....

باغیچہ کی بجری پر یہ آہٹ کیسی ہے؟ کیا وہ آرہی ہے؟ اُف! میرا دل کیسا دھڑکنے لگا۔ میں تاریکی میں نظر ڈالتا ہوں۔ سیاہی کے درمیان اک روشنی نظر آتی ہے، رات کی تاریکی میں اک نور، میری پیشانی سے پسینہ کے قطرے

گرتے ہیں اور میرے بالوں کو تر کر کے میری کنپٹیوں پر سے ڈھلکتے ہیں میں سانس لینے سے بھی اجتناب کرتا ہوں۔ اور اُس کا انتظار کرتا ہوں۔ رات کی سیاہی میں اک سفید سایہ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہَوا اک خفیف اور وہم انگیز سرسراہٹ سے پتّوں کو کچھ وحشت زا باتیں سُناتی ہے۔ پتے گھبراہٹ سے ہلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پہاڑ سے آنے والی ندّی اک پتّھر سے دوسرے پتّھر پر گر کر بڑبڑا رہی ہے۔ ان میں، رات کی ان تمام آوازوں کو سنتا ہوں۔ بجری پر چلنے والے قدموں کی آہٹ بالکل میرے قریب آگئی ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

میں بغیر اِس احساس کے کہ میں کیا کر رہا ہوں اپنی جگہ سے اُٹھتا ہوں اور اُس سفید سائے کی طرف جو میری طرف بڑھا چلا آرہا ہے سیدھا جاتا ہوں۔ وہ سفید سایہ اب مجھ سے ہٹنا شروع کرتا ہے۔ میدان کی تاریکی میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے درختوں کی شاخوں کے نیچے میرا پاؤں کبھی کسی پتھر پر پڑتا ہے۔ کبھی کسی کانٹے سے چھلتا ہے۔ لیکن میں اس سامنے کے سایہ کا تعاقب کئے جاتا ہوں۔

- - - - - - - - - - - - - - - -

آخر کار میں اُس کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں کو بڑھاتا ہوں اور اُس کے ٹھنڈے اور نازک ہاتھوں کو جو مجھ سے اب بھاگنا نہیں چاہتے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتا ہوں۔ اور اُس کے دراز قد کو اپنی طرف کھینچتا ہوں۔

"بول تو کون ہے؟ تو کون ہے؟ تو یہاں کیا ڈھونڈھ رہی ہے؟"

اک تھکی ہوئی آواز سے جو بہت دور اور بہت گہرائیوں سے آتی معلوم ہوتی تھی اُس نے کہا "تم مجھ سے ڈرتے نہیں؟ تم میں میرے پاس تک آنیکی ہمت ہی؟ میں تو جب میدانوں سے، ٹیلوں سے، راستوں سے گذرتی ہوں تو لوگ مجھ سے بھاگتے ہیں میں سفید کپڑے والی عورت ہوں۔"

ایک خفیف حرکت کے ساتھ اپنے سر سے سفید چادر ہٹا دیتی ہے۔ اُس کے بال سرخ روشنی سے چمک اُٹھتے ہیں۔ اُس کی آنکھیں جہنم کی طرح آتشیں و سیاہ ہیں۔ اُس کے دانتوں کی بجلیاں آنکھوں میں چکاچوند پیدا کردیتی ہیں میں اُسکے ہاتھوں کو زور سے اپنی مٹھی میں پکڑ کے دباتا ہوں۔ کہتا ہوں:۔

"نہیں میں تجھ سے نہیں ڈرتا۔ مگر تو مجھے بتا کہ ہر رات تو یہاں کیا ڈھونڈتی ہے؟"

"یہاں کیا ڈھونڈتی ہوں۔ یہ میں خود نہیں جانتی، اے نوجوان! روحیں،

مضطرب و گنہگار روحیں جبتک کہ اُن کے گناہ معاف نہیں ہو جاتے جبتک کہ وہ ابدی سکون و راحت تک نہیں پہنچتیں ہمیشہ اُن مقامات پر آتی ہیں جہاں اُنھوں نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ جہاں اُنھوں نے اضطراب کے عذاب جھیلے۔ اے نوجوان، وہ وہاں روتی ہیں۔ وہ وہاں فریاد کرتی ہیں۔ میں یہاں اک امداد، اک چارہ تلاش کرنے کے لئے۔ میں یہاں پیدا کرنے والے سے اور رحم پر حکم کرنیوالے اور رحم سے کام لینے والے سے عفو کی طلبگار ہو کر آتی ہوں، اُف میں یہاں عذاب جھیلنے کے لئے آتی ہوں۔ پیدا کرنے والا۔ اے نوجوان۔ اُن فانی ہاتھوں کو جو اُس کی بنائی ہوئی چیزوں کو مٹائیں معاف نہیں کرتا۔ جو اُس چیز کو مٹائے۔ محو کرے جس کا ثانی وہ نہ بنا سکتا ہو۔"

وہ میرے نزدیک اور آتی ہے۔ اپنے الفاظ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہتی ہے: "کاش اگر میں اُسے از سرِ نو زندگی دے سکتی۔ کاش از سرِ نو اُسے سانس دے سکتی۔ اُس حرارت و حیات کو جو میں نے اُس سے چھین لی لوٹا سکتی تو خدائے خالق شاید مجھے معاف کرتا۔ اس کے لئے اس کے جسم میں اک دل رکھنا، اُس کے جسم میں از سرِ نو زندگی ...... زندگی ...... اک دل دینا ...
...... حالانکہ وہ دل جو میرے ہاتھ میں ہے وہ دل جو میرے سینے میں رہے،

اُسے میں حرارت نہیں پہنچا سکتی۔ وہ دل حرارت قبول نہیں کرتا... وہ دل، وہ پیارا دل میرے سینے کے اوپر اک مردہ کی سردی، مردہ کی بیجانی کیساتھ رکھا ہوا ہے...... اے نوجوان چونکہ تو نے میرے ہاتھ پکڑے......
چونکہ تو مجھ سے نہیں ڈرا۔ ہ.. اگر ایسا ہے تو آ...... آیہاں اس جھُنڈ کے نیچے آ..... اور سن...... اور سب معلوم کر، سب سے آگاہ ہو......
حسینہ کی زندگی سے جو اک فسانہ معلوم ہوتی ہے واقف ہو......
اے نوجوان.... میں وہ عورت ہوں کہ جس نے بہت محبت کی ہے، جسکے ساتھ بہت محبت کی گئی ہے..... میں وہ بیچاری عورت ہوں۔ جو اُس کی موت کو بھولنا!..... اس بات کو بھولنا چاہتی ہوں کہ اُسے میں نے اپنے ہاتھوں سے مارا اور حقیقی موت یعنی اپنی روح، اپنی گنہگار روح کی موت کی طلبگار ہوتی ہوں۔ اور پیدا کرنے والے سے عفو کی ملتجی ہوں"

....

وہ ہاتھ جنھیں میں خیال کرتا تھا کہ میرے دبانے سے تکلیف میں ہونگے آہنی پنجے بن گئے۔ اور اُنھوں نے اُس تاریکی میں مجھے سیدھا جھنڈ کی طرف کھینچا۔ ٹھنڈے پتے میرے کندھوں پر آکے گرتے ہیں۔ یہاں بھی اک لکڑی

کی پیچ پڑی ہوئی ہے۔ میں اُس پر بیتابی سے گر پڑتا ہوں اور آنکھیں اُس کی طرف اُٹھا دیتا ہوں۔ وہ میرے پاس بیٹھ جاتی ہے۔ اور اپنی پُراسرار آواز سے جو دُور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مجھ سے کہنا، مجھے سمجھانا شروع کرتی ہے۔

(۸)

سفید کپڑوں والی عورت کی کہانی

جس دن میری اور اُس کی نسبت ہوئی اُس نے میرے نازک مگر زرد ہاتھوں کو اپنی طاقتور اور پُرحرارت ہاتھوں میں لیکر محبت بھری گہری آواز سے کہا:۔ "حسینہ! تو پاک، تازہ، نوجوان اور حسین ہے۔ حالانکہ زندگی ناپاک، کہنہ اور بدشکل ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تو زندگی کے چرکین پہلو کو نہ دیکھے اور وہ پہلو تجھے نہ پہچانے۔" ہم چنار کے درخت کے نیچے، حوض کے کنارے تھے۔ گہرا، نیلگوں اور سیمیں رنگ کا آسمان اور حوض کا نیلا پانی تاروں سے جگمگا رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں اُس کی طرف اُٹھائیں۔ وہ میری آنکھوں کو دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "پیاری تو زندگی سے واقف نہ ہو۔ کیونکہ تو جس دن اُس سے واقفیت پیدا کرے گی اُسی دن اُس سے

نفرت کرے گی۔ اُس دن تیری آنکھ کی یہ شفافیت، یہ نور، تیرے گالوں سے
یہ سُرخی، تیرے تبسّم کا یہ شعلہ بجھ جائیگا۔ اور جس دن وہ بجھ جائیگا اُسی دن
میں بدبخت ہو جاؤنگا۔ کیونکہ میرے نصیبے میں جسقدر روشنی، جسقدر نور، جسقدر
شعاعِ آفتاب ہے۔ ان سب کی میں تجھ سے ہی توقع رکھتا ہوں۔ میری پیاری
حسینہ! دنیا بہت بری ہے۔ دُنیا اُس سے زیادہ بُری ہے جتنا کہ تصوّر کر سکتی ہے۔
جو شخص اس دنیا میں ایک دفعہ بھی مسرت سے ہم آغوش ہو جائے۔ اُسے چاہئے
کہ اُس کو لیکر وہاں چلا جائے۔ جہاں کوئی ہمجنس نہ ہو۔ اور لوگوں سے دور
چلا جائے حسینہ! انسان بڑے حسد کرنے والے اور رشک کرنے والے
ہیں۔ مسرّت اور خوش قسمتی ایسی نادر چیز ہے کہ سب انسان اُن لوگوں کو جو خوش
نظر آتے ہیں۔ حرص اور رشک اور حسد کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور اسکے
بعد اُن کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس مسرت کو محو کر دیں، مٹادیں
انسان اپنی مصیبت اور فلاکت کو مٹانے کی اتنی کوشش نہیں کرتا۔ جتنی
دوسرے کی مسرت اور خوش بختی کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو لوگ
سب سے زیادہ مسرت میں اپنا دن گذار رہے ہیں پیاری حسینہ یقین مان
وہ مصیبت کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور آؤ ہم مصیبت سے دُور

بھاگنے کی غرض سے ان انسانوں سے۔ ان رشک کرنے والے اور حسد کرنے والے انسانوں سے دور بھاگیں۔"

"وہ اپنے ہاتھوں سے میرے بالوں کو جن میں شام کی ہوا خوشبوئیں لالا کے پریشان کر رہی تھی سنوارتا تھا اور کہتا تھا: حسینہ! وہاں اُس جگہ جو میرے تخیل میں ہے۔ اُس جگہ جو ان رشک آمیز، حسد آلود نظروں سے دُور رہے وہاں مرتے دم تک ہم مسرت کی زندگی بسر کریں گے۔ وہاں تو صرف میرے لئے خوبصورت ہوگی۔ اور نیچر کی زیبایش صرف میرے لئے اور تیرے لئے ہوگی۔ وہاں ہم دنیا کو بھول جائینگے اور دنیا ہمیں یاد نہ کرے گی وہاں، اسلئے کہ تجھے علم نہ ہوگا کہ زندگی کیا چیز ہے کیسی بُری چیز ہے اور انسان کو کسقدر بدبخت و گنہگار ہیں۔ اُنکے دل حرص و ابتلا...... سے کسقدر بھرے ہوئے ہیں، چونکہ تجھ کو اس کا علم نہ ہوگا تجھ میں ہمیشہ خوبصورت و نوجوان و خوش رہنے اور خوش کرنیکی قوت اور جرأت ہوگی۔ اور زندگی اسلئے کہ تجھ سے بے خبر ہوگی اپنی آلایش بھری سیلاب سے تیرے نصیبے، تیرے طالع کو خراب و آلودہ نہ کرے گی اور فلاکت کی زنجیر سے تجھے نہ باندھے گی۔ اور میں اپنی خوش اور حسین محبوبہ کے پاس مرتے دم تک خوش رہونگا۔ مگر اس دنیا سے انسانوں سے ہمیں بھاگنا چاہیئے۔"

(۹)

ہوا پتوں کو ڈرا کر پریشان کر رہی ہے۔ میدان کے درختوں میں، ایک وہم

انگیز حرکت پیدا ہوتی ہے۔ سفید لباس والی عورت، اپنا سوکھا ہاتھ، اپنے چمکدار شعلہ بار بالوں پر پھراتی ہے اُس کی آنکھوں کی چمک، اس لیے مدہم تھی کہ اُس نے آنکھیں بند کرلی تھیں لیکن اُس کے دانت بات کرنے میں بجلیاں گرا رہے تھے۔ اور وہ گہری آواز سے جو دُور بہت دور سے آتی معلوم ہوتی تھی، اپنی سرگزشت کہہ رہی تھی۔

(۱۰)

الغرض اس لیے کہ ہم دوسروں کی مسرّت کو چھپائیں۔ دوسروں سے اُس کی حفاظت کریں۔ ہم شہر سے، شہر کی رنگ رلیوں سے، انسانوں سے، حاسدوں اور رشک کرنے والوں سے بھاگے اور بھاگ کر یہاں آئے۔ یہاں اس سرسبز گوشے میں جسے تو دیکھ رہا ہے۔ جس میں تو زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس بہشت میں آئے۔ اور ہم نے ہر شخص سے دور ہو کر اپنے عشق و محبت کو لوگوں کی نظروں سے چھپایا۔ تاکہ ہماری مسرّت پائدار ہو۔ اے نوجوان! ہم خوش تھے دُنیا نے ہمیں اپنی سب سے زیادہ قیمتی مسرّت، عشق پیش کی تھی۔ پھر ہماری زندگی کے ہر دن کو فیاضانہ شوق سے، آراستہ کرتی تھی۔ ہم زندگی سے اُس کا سب سے زیادہ بیش قیمت خزانہ لیکر، یہاں بھاگ آئے تھے۔ عشق و محبت ہمارا حصّہ تھا، اے نوجوان ہم

اک دوسرے کو اسقدر چاہتے تھے۔ تمام کائنات، ہمارے لئے، اس مقام سے مراد تھی۔ زندگی، اور مقصدِ زندگی ہمارے لئے یہ تھا کہ اک ساتھ رہ کر، مسرت کے ساتھ، مرتے دم تک خوش جئیں۔ باہر، اور شہروں، اور اقلیموں میں، انسانوں کا ہونا، اُن کی اُمیدیں، اُن کے ابتلا، اُن کے لڑائی جھگڑے، ان سب چیزوں سے ہم قطعاً بے تعلق تھے۔ ہم نے ہر شخص کو بھول رکھا تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ کوئی ہمیں یاد نہ کرے۔

اُف! دنیا کی سب سے زیادہ مسرور، سب سے زیادہ عشق میں چُور، سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ پُرنشہ عورت میں تھی۔ میرا عشق چونکہ پُرمسرّت تھا، میں خوبصورت تھی اور چونکہ خوبصورت تھی میں پُرنشہ اور مست تھی، دُنیا کی لطیف ترین آواز، دُنیا کی حسین ترین آنکھیں، دنیا کا خندہ ترین چہرہ، مجھ میں تھا، میں قہقہوں سے بھری تھی۔ اگر میں گانا گاتی تھی، تو بلبلیں سُننے کیلئے خاموش ہو جاتی تھیں۔ اگر میں ہنستی تھی تو ساز بجنا بند ہو جاتا، سُننے کے لئے رُک جاتا تھا۔ میرا چہرہ اسقدر نور پاش مسرت تھا، کہ آفتاب میرے مقابل ہوتا، تو میری حرارت مُسرّت سے بھاگ کر، اپنے تئیں بادلوں میں چھپا لیتا تھا۔ شام کی ٹھنڈک میں، جب وہ میری زنخداں کو اپنے ہاتھوں سے چھوتا، تو میں اپنا مُنہ

آسمان کی طرف اُٹھا دیتی، اور میری لبریز مسرت آنکھوں کی چمک کو دیکھ کر تارے
ایک ایک کر کے اپنی روشنی غائب کر دیتے تھے۔ میں اپنے باغ کے پھولوں سے
زیادہ تازہ، چڑیوں سے زیادہ خوش اور بے فکر تھی۔ میں جس وقت صبح سویرے،
اپنے بننے کے اڈّے کے پاس میٹھی گنگناتی، تو چڑیں میری شریک ہو جاتیں۔
گویا گانے میں میرے ساتھ رقابت کرتیں۔ ہم ساتھ ساتھ گاتے ساتھ ساتھ لمبے
راگ الاپتے۔ اور آخر میں جیتتی۔ وہ ہارتیں۔ اُن کی آوازوں میں، آہستہ آہستہ وہ
جوش وہ خروش نہیں رہتا تھا۔ ظہر کے وقت آفتاب کی تمازت سے وہ تھک
جاتیں اور اُن کا گانا بند ہو جاتا۔ لیکن میری آواز۔ میری مسرت بھری آواز اُسی
مدہوشی۔ اُسی جوش کے ساتھ، میدانوں میں، درختوں کے سائے کے نیچے، دامنِ
کوہ میں سُنائی دیتی تھی۔ کیونکہ میرے مقابل میں، مجھے ہر وقت، ہر لمحہ محبت سے
دیکھنے والے۔ میرے شاہزادے کی میرے بادشاہ کی آنکھیں تھیں۔

(۱۱)

تیز و پُر حدّت ہوا، ابتک چل رہی ہے۔ کھڑکی کے کواڑ جو کھلے رہ گئے ہیں
کھٹ کھٹ کر رہے ہیں۔ درختوں میں ایک ایسی گڑبڑ ہے، گویا جنّات وہاں
بیٹھے خوشیاں منا رہے ہیں۔ سفید کپڑوں والی عورت اپنی سرگزشت بیان

کئے جا رہی ہے۔ اُس کی آنکھوں میں تھکن ہے اور چہرہ ایک معمّا بنا ہوا ہے۔ اُس کی باتوں سے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ میرے سر میں درد ہے۔ میری تھکی ہوئی نظریں، اُس کی طرف نہیں اُٹھتیں۔ میری آنکھیں جل رہی ہیں۔

(۱۲)

ہم انسانوں کے حسد و رشک سے دور بھاگ کر آئے تھے۔ اور ہمیں یقین تھا کہ ہم ہمیشہ خوش رہیں گے۔ ہمیں کسی چیز کا خوف نہ تھا۔ ہم اندیشہ، الم و اضطراب سے بری تھے۔ ہمارا ہر دن، گذشتہ دن سے زیادہ خوبصورت، زیادہ شاعرانہ ہوتا تھا۔ ہم خوبصورتی اور عشق میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایک خوبصورت معمورۂ محبّت میں ہم حسن و عشق کی زندگی گذارتے تھے۔ مجھ کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہماری مسرّت میں خلل پڑیگا۔ ہمیں کسی چیز کا خوف نہ تھا۔ میں کسی چیز سے اجتناب نہ کرتی تھی۔ ہماری مسرّت کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اس لئے کہ ہمارے گرد و پیش نہ کوئی حاسد تھا اور نہ حسد۔

(۱۳)

سفید لباس والی عورت، تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جاتی ہے۔ ہوا میں زور پیدا ہوتا جاتا ہے۔ رات کی مبہم و غیر معیّن ہلکی ہلکی آوازیں آتی ہیں ایسا معلوم

ہوتا ہے رات ہونٹ بند کئے گراہ رہی ہے پتوں میں حرکت ہے سفید لباس والی عورت ایک ایسی آواز سے جو اس رات کے شایاں ہے، جو اس رات کی وحشت کو پورا کرتی ہے، تاریکیوں میں سے کہہ رہی ہے۔

(۱۴)

ایک دن، گرمی کا ایک لطیف دن تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنے کمروں کو سجانے میں صرف اپنے باغ کے پھولوں پر قناعت نہ کروں گی۔ انھیں آراستہ کرنے کیلئے جنگل کے پھولوں کی خوبصورتی سے بھی فائدہ اٹھاؤنگی۔

میں جھولی پھولوں سے بھرے ہوئے، گرم آفتاب کی شعاعوں کے نیچے۔ جو میرے چہرے کو سنولائے دے رہی تھی، دور تک نکلی چلی گئی۔ مجھے خبر نہیں میں کتنی دیر تک پھرتی۔ جب اُس پہاڑی کے قریب پہنچی، جہاں سے ندی اُتر کے آرہی تھی۔ تو میں نے محسوس کیا کہ میں بہت تھک گئی ہوں۔ میرا چہرہ دھوپ سے تمتما رہا تھا۔ میں نے ندی کے ٹھنڈے پانی سے مُنہ دھونے کی غرض سے وہ پھول تو زمین پر رکھدیئے۔ اور میں مُنہ دھونے کے لئے جھکی۔

میں اپنے ہاتھ، مُنہ اور بازو دھو رہی تھی۔ اور گا رہی تھی۔ میری آواز نڈر اور زوردار تھی۔ میرا راگ ندی کے غمناک آواز پر غالب آرہا تھا۔ میں ہاتھ مُنہ

دھو چکی تو اُٹھ کھڑی ہوئی میں نے پھولوں کو پھر جھولی میں بھرا۔ اور دور وہاں جانیکا
ارادہ کیا جہاں دامنِ کوہ میں ایک پُرانی سیاہ شکستہ غیر آباد کوٹھی کھڑی تھی۔ ایک
وقت میں اس طرف سے گذری تھی، تو میں نے دیکھا تھا کہ اس کے ویران باغ میں،
بہت سے زرد پھول کھلے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ میرے کمروں کی سیاہی
مائل سبزی کو، ان پھولوں کی زردی، اور ان پھولوں کی قدرتی بیابانی خوشبو
اور زیادہ مزین کریگی۔ میں نے وہاں پہنچکر اوّل اپنے چھوٹے رومال سے اپنا
مُنہ پونچھا۔ پھر پھول چُن کے، میں جانے کے لئے تیار ہوئی۔ کہ سامنے میں نے حیرت
سے دیکھا میں نے حیرت سے دیکھا کہ میرے مقابل میں ایک آدمی نہایت دُبلا
سُوکھا، اور دراز قد، سیاہ کپڑے پہنے کھڑا ہے۔ ہَوا اُس کے لمبے بالوں کو
پریشان کر رہی تھی۔ اُس کی پیشانی چوڑی تھی، مگر بھویں کھچی ہوئی تھیں۔ اور ہونٹ
بند تھے۔ جن پر کبھی کبھی ایک مُعمّا انگیز مُسکراہٹ پیدا ہوتی تھی۔ میں نے اُس پر
نظر ڈالی تو دیکھا کہ اُس کی مُسکراہٹ میں اُس کی سیاہ وگہری آنکھوں کی چمک بھی
شامل ہو جاتی تھی۔

وہ مجھے برابر دیکھ رہا تھا، اور غیر اختیاری طور پر میری نظریں بھی اُس پر گڑی
ہوئی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں ایک ایسی کشش تھی جس کا میں مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

ہم نے ایک دوسرے کو دیر تک دیکھا۔ اس آدمی کی نظروں سے جو حرارت برس رہی تھی۔ اُس نے مجھ پر لرزہ طاری کر دیا۔ میں کانپ رہی تھی۔ مگر وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اگر وہ خود بات نہ کرتا۔ اور خود حرکت نہ کرتا۔ تو شاید میں اسی طرح اُسے ڈر ڈر کے، کانپ کانپ کے مبہوت حالت میں ہمیشہ دیکھتی رہتی۔

مگر اُس نے ایسی آواز سے جو اُس کی نظروں کی طرح، گہری اور اسرار انگیز تھی مجھے مخاطب کر کے کہا:۔

"نوجوان عورت، تیرے باغ میں، اور میدان میں اسقدر خوبصورت پھول ہیں، پھر بھی تو کیوں میرے ویران باغیچہ سے پھول چرانا چاہتی ہے۔ جس کی دیواروں پر کائی جمی ہوئی، جو گرگٹ اور سانپوں کا مسکن بنا ہوا ہے۔ تو کیوں اس کی شکستہ دیواروں کو پھلانگ کر آئی ہے اور میرے پھول توڑنا چاہتی ہے؟"

میں نے اُس کی آنکھوں پر حسرت اور خوف کی نظر ڈال کر جواب دیا۔ مگر گھگھی بندھی ہوئی تھی،

"اپنے مکان کو سجانے کے لئے۔"

اُس نے اپنے منہ کو سختی سے بند کر لیا تھا۔ مگر میرے جواب پر اُس نے قہقہہ مارا جس سے اُس کے خنجر کی طرح تیز دانت نظر آئے اور کہنے لگا۔ مگر تجھے خبر ہے،

میرے باغیچہ کی گرم اور مرطوب ہریالی میں، تپ، درد، اور موت ہے۔میرے پھولوں کے رنگوں سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ جو سُرخ پھول نظر آتے ہیں۔جو بیاں کے بے پایاں اور تاریک سایوں میں کھلے ہیں۔اُنھوں نے اُس عورت کے خون سے پرورش پائی ہے جس نے میرے عشق کے ساتھ بے وفائی کی۔اور زرد پھولوں نے اپنا رنگ، اپنی اداسی، اُس عورت کی موت کے رنگ سے چرائی ہے۔نوجوان عورت! تیرے باغ میں، وہاں میدان میں خوبصورت گلہائے خنداں کی اسقدر کثرت ہے، پھر بھی تو اتنا راستہ طے کر کے میرے باغ میں آکر میرے ماتمی پھولوں کو لینا چاہتی ہے؟"

وہ تھکی ہوئی اور تلخی آمیز نظر ڈال رہا تھا اور کہہ رہا تھا:۔

تو نے کیوں مجھے جگا دیا۔میں تھکا ہوا تھا، اور تجھے، تجھ جیسوں کو دیکھنا، پہچاننا نہ چاہتا تھا۔

تو کیوں اپنی گستاخ مسرت سے مجھ تک آئی، کیوں مجھ تک آنے کی کوشش کی۔کیوں تو نے میرے قلب کی۔میرے جہنم کی حسد کی آگ پھر بھڑکا دی۔کیوں تو مجھے اپنے کام، اپنے دائمی کام کی طرف پھر بلاتی ہے۔میں نے تجھے نہیں ڈھونڈا تھا۔اور نہ میں ڈھونڈتا۔میری کوئی خواہش نہ تھی کہ تجھے ڈھونڈوں۔تو نوجوان

ہے۔ حسین ہے۔ صاف و پاک ہے۔ تجھے حقیقی محبّت ہے۔ محبت کے اصلی معنی سے واقف ہے۔

یہاں، اس باغ میں جس کے سُرخ اور زرد پھولوں نے تجھے اپنی طرف کھینچا، ایک غیر معمولی حسین و نازک عورت، ایک مرے ہوئے آہو کی طرح لیٹی ہوئی ہے۔ دفن ہے۔ اس عورت نے اپنی خوبصورتی اور اپنی خون کی سُرخی اِن پھولوں کو دی ہے۔ مگر اس عورت نے میرے بے پایاں عشق کو، ہیروں، رنگ رلیوں، آرائشوں پر فدا کر دیا، قربان کرنے کی کوشش کی۔ تو اُس غیر معمولی، مگر بیوفا عورت کی طرح نہیں ہے۔

غیر متیقّن اور کمزور قدموں سے وہ میرے قریب تر آ رہا تھا، میں خوف سے اُس کی نظروں سے نظریں نہیں مِلاتی تھی۔ مگر وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا:۔ الغرض، چونکہ اے نوجوان عورت! تو اُس دوسری کی طرح نہیں ہے۔ تجھے لازم تھا۔ کہ مجھ سے دور رہتی، تو میرے سامنے نہ آتی۔ نوجوان عورت! مجھے اچھّی طرح دیکھ لے، میں وہ عشق ہوں جس کے ساتھ بے وفائی کی گئی، میں وہ عاشق ہوں جسے دھوکا دیا گیا۔ اس لئے میں وہ ہوں جسے تمام محبّت کرنے والوں کے ساتھ حسد ہے، میں تمام خوشبوؤں، مسرّتوں کے خلاف بے نہایت

کینہ رکھتا ہوں"

اب میرے کندھے پکڑ کر مجھے زور سے ہلاتا ہے اور فریاد آمیز صدا سے کہتا ہے "تمام خوشبوؤں کا، تمام خوش زندگی بسر کرنیوالوں کا دشمن ہوں"۔ اتنا مجھے یاد ہے۔ کہ میں سبزے سے ڈھکی ہوئی زمین پر گر پڑی۔ اور میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

(۱۵)

ہوا نہیں ٹھیرتی، حدّت اور دیوانگی کے ساتھ چل رہی ہے۔ ہماری پشت پر سایہ انداز درختوں کے سبز پتّوں میں سے بجلی کی چمک چھن چھن کر آ رہی ہے۔

(۱۶)

مگر جب مجھے ہوش آیا، تو میں نے اپنے تئیں اپنے گھر میں پایا۔ میں اپنے کمرے میں تھی۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی افیونی کسی کابوس سے بیدار ہو۔ میں اپنی چھپر کھٹ پر پڑی ہوئی تھی جس کے پاؤں پر اُبھرے ہوئے نقوش سے اژدہوں اور سانپوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ میں زرد اطلس کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی جس پر سُرخ، سبز، نیلے اور سیاہ ریشم کے تاگے سے پھولوں، پرندوں اور عجیب عجیب جانوروں کی تصویریں کڑھی ہوئی تھیں۔ میرا مرد، اپنے چوڑے ہاتھوں سے میرے پریشان بالوں کو سنوار رہا تھا۔ میرے سرہانے جو کپڑوں کی الماری رکھی ہوئی تھی۔

اُس میں سے رومال نکالکر، اک تسلے میں پانی ڈبو ڈبو کے، میری گرم پیشانی پر رکھتا تھا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنی پیاری مگر تفکر آمیز آنکھوں سے، اور جس مسہری کے کنارے پر وہ بیٹھا ہوا تھا اُس کی ٹیک کے دونوں طرف سے اُس میں کھُدے ہوئے دو اژدھے اپنی لال آنکھوں اور لال سروں اور لال دانتوں سے، مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے مقابلے کے ان تینوں سروں اور تین جوڑی آنکھوں کو مُسکرا کے دیکھا۔ میرے شوہر کے ہاتھ میرے چہرے کو سہلا رہے تھے" ایک سرزنش آمیز شفقت سے اُس نے کہا:۔

میری ننھی مُنّی جان! یہ تم نے کیا کیا تھا۔ ایسی تیز دھوپ میں کیوں اک ننھے دیوانہ کی طرح تم بھاگ گئیں۔ اگر کہیں میں ادھر سے نہ گذرتا اور تمھیں نہ دیکھتا تو"۔ اُس نے مجھے بتایا کہ کس طرح اُس نے ندی کے کنارے ہریالی کے درمیان مجھے بیہوش پڑا پایا تھا۔ اور مجھ سے شیریں ناراضگی کے ساتھ کہنے لگا کہ "میں تمھیں اپنی گودی میں اٹھا کر جب لایا ہوں تو وہ وقت کس قدر فکر اور اندیشہ میں گزرا۔ اور میں نے کتنی دیر تک تمھیں ہوش میں لانے کی کوششیں کیں۔ اُس کی باتیں سُن کر جو کچھ مجھ پر گزرا تھا مجھے یاد آگیا۔ اس لئے یکایک میں بستر پر سیدھی ہو بیٹھی۔ اس حرکت سے میرے سر میں از سرِ نو درد شروع ہوگیا۔

(۱۷)

رات جو ایک سیاہ اور وحشی جانور سے مشابہت رکھتی ہے۔ مہیب آوازیں نکال رہی ہے۔ دورِ آسمان پر گرج ہے۔

(۱۸)

میں نے اپنے شوہر کو سارا ماجرا سُنایا۔ اُس نے میرے بیان پر مطلق یقین نہ کیا۔ میرے چھوٹے رومال سے میرے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے جو میرے رُخسار سے ڈھلک رہے تھے اُس نے کہا:۔ "انّاؤں کی کہانیوں پر یقین کرنے والی شیریں بچّی! تو نے اُس چمن میں بیہوشی کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ بالکل ایک خواب کی طرح۔"

وہ ایسے یقین کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ میں بھی جو اُس کے ہر لفظ پر ایک مومن کی ایمان کی طرح یقین کرتی تھی، ان بیانات اور تصریحات سے شبہ کرنے لگی کہ ضرور یہ ایک خواب، ایک خیال تھا؟ یا ایک بیماری یا کابوس۔ اور اگر میں پھر اُس آدمی کو اپنے راستے میں نہ دیکھتی تو یقیناً میں اُس واقعہ کو بھول جاتی۔ اور مجھے کبھی خیال بھی نہ آتا۔ مگر دوسری ملاقات پہلی ملاقات کی طرح نہ تھی۔ اُس دن کے واقعہ کے بعد میں تنہا اُس میدان کی طرف جاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ میرا شوہر جب میرے پاس نہ ہوتا تو میں اپنا وقت یا تو گھر کے کاموں میں یا اپنے باغچہ میں پھر کے کاٹتی تھی۔ میں ایک دن

حوض کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی گرمی کی شام تھی۔ آسمان پر حوض کے پانی میں اور درختوں کے درمیان ستارے اور جگنو چمک رہے تھے۔ میری آنکھیں بھی حوض کو دیکھ رہی تھیں۔ اور آسمان کے ستاروں کی طرح اُن کا بھی عکس چمک رہا تھا اور میں اس تمام نظارے کے دیکھنے میں محو تھی۔ باوجود شام کی گرمی کے مجھے پیچھے سے سرد ہوا کا جھونکا گویا چلّہ کا جاڑہ ہے آکر لگا۔ میں کانپ اٹھی۔ اور غیر اختیاری طریقہ سے میں نے پیچھے مڑکر دیکھا۔ میرے ہونٹوں سے ایک چیخ نکلی۔ وہ میرے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے سیاہ کپڑوں میں وہ .... اُس کے سیاہ بال ویسے ہی بکھرے ہوئے تھے۔ اسکے باریک ہونٹ بند تھے۔ اُس کی تنی ہوئی بھنوؤں کے نیچے معمّا انگیز تبسّم کے نشان تھے۔ وہ اپنے ضعیف ہاتھ اپنے سینہ پر رکھے ہوئے تھا اور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظریں میری قوّت وقدرت، میرے ارادے کو محو کر رہی تھیں۔ کیا کسی نے میری آواز نہیں سُنی تھی؟ کیوں کوئی میری مدد کو نہیں آتا تھا؟ وہ میرے مقابلہ میں کھڑا تھا، بالکل خاموش اور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اُف! مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تا ابد مجھے یونہی دیکھتا رہیگا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کتنی مدّت تک میری نظریں اُس کی آنکھوں کو دیکھا کیں۔ پھر نہ معلوم کس طرح میں نے غیر معمولی قوّت کا استعمال کیا اور اپنی نظروں کو اُس کی آنکھوں کے اثر سے باہر نکالا۔ میں نے دیکھا

کہ حوض کے پانی میں آسمان کا سایہ زیادہ سیاہ ہو گیا ہے۔ اور اس سیاہی میں آسمان پر کبھی کبھی بجلی اور زیادہ تیزی سے چمکتی ہے۔ میں نے بغیر یہ جرأت کئے کہ پھر اُس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاؤں اُس سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟" ایک ایسی آواز سے جو اس شبِ تاریک کے ہم آہنگ تھی۔ اُس نے جواب دیا "میں تیری مصیبت ہوں اے جوان عورت، میں تیری مصیبت چاہتا ہوں"۔ مارے خوف کے میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ ایک ظالم قہقہہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔

(۱۹)

سفید لباس والی عورت اپنے گورے ہاتھوں سے اپنے سُرخ بالوں کو پیچھے کی طرف ہٹاتی ہے۔ اور پھر اُس ہاتھ کو اپنی آنکھوں کے اوپر لے جاتی ہے۔ ہوا اک شرابی انسان کی طرح درختوں اور پتّوں سے لپٹتی ہے۔ اس کہنہ کوٹھی سے ٹکراتی ہے۔ سڑک کے ذرات پر اُن کو بکھیرتی ہوئی چل رہی ہے۔ رات ہزار ہا غیر معیّن اور خوف انگیز آوازیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ رات اُس کابوس کے مانند ہے جو اک ایسے انسان پر مُسلّط ہو جو خوف سے دیوانہ ہو گیا ہو۔ کھڑکیوں میں دروازوں کے سوراخوں میں، پیچوں میں، کونوں میں، شیطان سیٹی بجاتے معلوم

ہوتے ہیں۔ ایسی سیٹی جس کے جادو سے درخت اور پتّے رقص کر رہے ہیں۔ اور دیوانے ہوگئے ہیں۔ سفید لباس والی عورت کیا اس قیامت سے بے خبر ہے؟ ایک ایسی آواز سے جو معلوم ہوتا ہے کسی دوسری دنیا سے آرہی ہے جو مادّی اور حقیقی نہیں ہے، جو انسانی نہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے جو تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ مجھے سُنا رہی ہے۔

(۲۰)

جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ صرف اُس قہقہہ کا عکس صدا اُس فوّارے کے پانی میں تھا جو حوض کے درمیان اُچھل رہا تھا۔ اور جس کے چھینٹے روش کے روڑوں کو تر کر رہے تھے۔ بس میری یہ خواہش تھی کہ ایکدم اپنی جگہ سے اُٹھ کے بھاگوں اور فوراً اپنے مرد کے پاس جاؤں، اُس کے پہلو میں بیٹھ کر اُس کے ہاتھوں میں اپنے مُنہ کو چُھپا کر اور اُس کے پاس بیٹھ کر کانپوں۔ نہیں میں نے غلط کہا، اُسکے پاس بیٹھکر خوف سے آزاد ہوں۔ جب میں اپنی جگہ سے اُٹھی تو میں اپنے پاؤں کے بجرے پر پڑنے کی آواز سے بھی ڈری۔ جو مجھے پہلے ایسی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ وہ رات جس سے میں اس سے قبل اس قدر لطف اُٹھا رہی تھی۔ مجھے ڈراونی معلوم ہوئی۔ میں ستاروں کے عکس سے جو پانی میں پڑ رہے

تھے، جگنوؤں سے جو چاروں طرف اُڑ رہے تھے، پرندوں سے جو درختوں کی شاخوں میں پھڑپھڑ کر رہے تھے، اُن تمام چیزوں سے جو چند منٹ پیشتر میرے لطف و مسرّت کے جزو بنے ہوئے تھے۔ میرے لطف و مسرّت کو پورا کر رہے تھے، ڈر رہی تھی۔ اور میں اپنے ہاتھوں سے اپنے مُنہ کو چھپا کر ڈرتی ڈرتی ان تمام چیزوں سے بھاگی۔ میرے مرد نے مجھکو پریشان اور دہشت زدہ دیکھکر حیرت سے پوچھا "تمھیں کیا ہو گیا میری جان؟" میں وہاں قالین کے اوپر گر پڑی۔ میں نے اپنا سر اُس کے زانو پر رکھ کے رونا شروع کر دیا۔ میں روتی بھی جاتی تھی اور سُناتی بھی جاتی تھی۔ میرا مرد اپنے چوڑے قوی ہاتھوں سے میرے بالوں کو سنوارتا ہوا میری گفتگو کو سُن رہا تھا۔ جب میں سارا ماجرا سُنا چکی تو اُس کے بھرے ہوئے ہونٹوں میں اک تبسم پیدا ہوا۔ اور اُس نے کہا: "میری چھوٹی سی ننھی ڈرپوک رات کی تاریکی سے ڈر گئی ہو۔ اور کیا کیا باتیں ایجاد کر رہی ہو۔" میں اُسے اپنے بیان پر یقین تو نہ دلا سکی۔ مگر میں نے زیادہ زور سے رونا شروع کر دیا۔ اُس نے متفکّر طریقہ سے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور کہا "تمہیں بخار آتا معلوم ہوتا ہے، چلو سوؤ اور آرام کرو۔"

(۲۱)

ہوا اُسی شدّت سے چل رہی ہے۔ آسمان پر گرج ویسی ہی ہے۔ بجلی اور

زیادہ قوت سے چمک رہی ہے۔ سفید لباس والی عورت تھوڑا ٹھہری پھر اُس نے اپنی حکایت کو اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

(۲۲)

اُسے سمجھانا بالکل ممکن نہ تھا۔ وہ یقین ہی نہ کرتا تھا۔ حالانکہ وہ آدمی، وہ درازقد وہ سیاہ لباس والا عجیب آدمی اب ہر وقت ہمارے درمیان تھا۔ میں میدان میں اپنے مرد کے ساتھ جب سیر کو جاتی تو مجھے وہ ہمارا پیچھا کرتا نظر آتا تھا۔ ہم تاکِ انگور کے نیچے بیٹھتے تو وہ ہمارے درمیان ہوتا، کمرے میں آپس میں باتیں کرتے، وہ ہمارے درمیان ہوتا۔ ہم سے ایک لمحہ کے لئے جدا نہ ہوتا تھا۔ میرا مرد اُسے نہیں دیکھتا تھا۔ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن میں........! میں دن بدن سوکھتی چلی جارہی تھی۔ دن بدن بیمار ہوتی چلی جارہی تھی۔ وہ ہر وقت میرے مقابلہ میں نظر آتا تھا۔ ہر وقت ہمارے سامنے تھا۔ مگر نہ معلوم کیوں میرا شوہر اُسے نہ دیکھتا تھا۔ وہ صرف مجھے نظر آتا تھا۔ کبھی جب میں اپنے شوہر کے ساتھ میدان میں جاتی ہوتی اور وہ ہمارے پیچھے نظر آتا تو میں اُسے دکھانے کے لئے اپنے شوہر سے کہتی "دیکھو دیکھو، پیچھے دیکھو"، میرا شوہر سر پھرا کر دیکھتا۔ اور نہایت لاپرواہی سے کہتا "کوئی بھی نہیں ہے میری جان، تم نہیں دیکھ رہیں؟ صرف حنا کے درخت

کا سایہ ہے"۔ اگر میرا شوہر مجھ سے ذرا دور ہو جاتا تو وہ میرے قریب آکر نہایت آہستہ سے میرے کان میں کہتا "میں تیری مصیبت ہوں۔ قدم بہ قدم تیرا پیچھا کر رہا ہوں میں تیری مصیبت ہوں اور جلد تیری خوشی اور عشق کو فنا کر دونگا"۔ میں جان خراش چیخ کے ساتھ اُس سے بھاگتی اور اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ کے کہتی:

"تم نے نہ دیکھا، میرے پیارے مددگار محافظ تم نے نہ دیکھا وہ کیا کہہ رہا تھا"۔

وہ ہنس کے کہتا "بالکل گڑیا ہو، پیاری۔ کون کہہ رہا تھا؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"

"وہ اُس نے ابھی میرے کانوں میں کہا۔ اُس نے ابھی مجھ سے بات کی"۔

"وہ کون؟"

"اُف! وہ سیاہ لباس والا آدمی، سیاہ لباس والا آدمی"۔

"میرا شوہر اندیشہ آمیز طریقہ سے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے سہلا کے کہتا۔

"شاید پھر تمھیں بخار آ رہا ہے۔ میری جان۔ شاید پھر تمھاری طبیعت خراب ہو رہی ہے"۔

آہ، اے نوجوان، میں قسم کھاتی ہوں کہ میں بیمار نہ تھی۔

(۲۳)

ہَوا اب بھی باغیانہ قوّت و ہوس سے چل رہی ہے، اب بھی درختوں کو کھڑکیوں کو زور سے ہلا رہی ہے۔ میرے سر میں درد ہے، میرا سر چکر کھا رہا ہے۔

سفید لباس والی عورت مجھے سُنا رہی ہے :-

(۲۴)

الغرض اب میرا ہنسنا بند تھا۔ اب میرا گانا بند تھا۔ اب میں پھُول جمع نہ کرتی تھی۔ اب میرے ہونٹوں کے گرد۔ میری آنکھوں کے چاروں طرف اندیشہ و فکر نے حلقے اور جھرّیاں پیدا کر دی تھیں۔ یہ عجیب مخلوق ہمارے ساتھ کیا کرنیوالی ہے۔ ہمیں کس طرح بدبخت کریگی۔ میں اسے نہ جانتی تھی۔ اور میرا ذہن اس کا تصور نہ کرتا تھا۔ میرا ذہن! میرا تخیّل اس مجہول شے سے، جسے مصیبت کہتے ہیں بے خبر تھا۔ لیکن اُس سے ڈرتا تھا اور پریشان تھا۔

(۲۵)

میری کنپٹیوں کا درد ہر لمحہ اور بڑھتا جا رہا ہے۔

(۲۶)

ایک دن میرا شوہر شہر گیا ہوا تھا۔ میں تنہا تھی کہ پھر وقت کاٹنے کے لئے میں میدان کی طرف گئی اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سر کو ہاتھوں میں لے کے میں نے تھکن اور خوف کے ساتھ سوچنا شروع کیا۔ میدان میں نہ آدمی نہ آدم زاد تھا۔ ابر چھایا ہوا تھا۔ اور میں اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپائے سر جھکائے بیٹھی ہوئی

تھی، کہ میرے پیچھے سے اک آواز آئی۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں:۔

"خوبصورت عورت! کہو کیا سوچ رہی ہو؟"

میرے مقابلہ میں، درخت کے سائے میں، اک کمزور اور دراز قد عورت کھڑی تھی۔ اپنی ڈھیلی ڈھالی چادر میں کچھ جھکی ہوئی میری طرف مخاطب تھی۔ چادر کے پلوؤں میں سے اُس کے حنائی بال کچھ کچھ باہر نکلے نظر آرہے تھے۔ ہم نے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس کے بعد اُس نے کہنا شروع کیا:۔

"جواب نہ دو، تمہارے دل کو جو درد پیسے ڈالتا ہے میں تم سے زیادہ اُسے جانتی ہوں۔ تمہاری خوشی خطرے میں ہے، اے نوجوان عورت؟

مینے اپنی آنکھوں اور سر کے اشارے سے اس کی تصدیق کی وہ میرے قریب آئی، اور تھکی ہوئی آواز سے اُس نے کہا:۔

"ہر اک خوشی خطرے میں ہے۔ ہر اک مسرّت خطرے سے گھری رہتی ہے"۔

میرے اور قریب آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی:۔

"تم اس کا سبب جانتی ہو؟"

میں نے اپنے سر کے خفیف اشارے سے "نہیں" کہا۔

اس پر وہ آہستہ آہستہ میرے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی:۔

"اے حسین نوجوان اور ناتجربہ کار عورت! دنیا میں کوئی مسرت نہیں جو خطرے میں نہ ہو۔ دُنیا میں کوئی حُسن نہیں جو خطرے میں نہ ہو۔ کیونکہ وہ تمام حسین اور قیمتی چیزیں جو انسان کے قبضے میں ہیں وہ شیطان میں کینہ وحسد پیدا کرتی ہیں، حاسد شیطان جس دن انسان کو جنّت سے نکالنے میں کامیاب ہوا۔ اُس دن مارے خوشی کے اس زور سے قہقہے مار رہا تھا گویا آسمان پر گرج ہے۔ وہ روحیں جو فضائے لامتناہی میں نکھری پڑی پھرتی ہیں اُن میں سے ایک نے شیطان سے کہا۔ "میرے دوست بہت مت ہنسو۔ جس آدم کو حیلے اور فریب سے تم نے جنّت سے نکلوا دیا ہے وہ نکلتے وقت جنت کے آسمان کی سب سے خوبصورت چیز اپنے ساتھ لے گیا ہے" شیطان کا قہقہہ ایک دم رُک گیا اور اُس نے پوچھا "کیا لے گیا؟"

"وہ اپنی روح، تو ساتھ لے گیا" اُس چیز کو ساتھ لے گیا۔ جو اُس کے جسم کی طرح مجروح نہ ہوگی۔ اُس کا جسم جو مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی کو سونپا جائے گا روح اُس محکومیت سے آزاد ہے۔ اور وہ روح کے ساتھ روح کے اندر عشق کو بھی لے گیا ہے۔ یہ مبارک جذبہ جو جنّت، فرشتوں اور جاودانی و فردوسی مخلوقات کی خصوصیات میں سے ہے، وہ اُسے ساتھ لے گیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ اپنے اندر جنّت کو لے گیا، جنّت کو ساتھ لے گیا، جنّت کو دُنیا میں لے آیا۔

"شیطان جو صرف کینہ و انتقام کی قدرت و قوّت سے واقف ہے اور اُن پر بھروسہ کرتا ہے۔ پھر ہنسا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ عشق کیا چیز ہے، عشق کیا کچھ کرنے پر مقتدر ہے، اس کا وہ تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے دل میں صرف ایک جذبہ تھا۔ جو عالم اور ماورائے عالم میں حکم فرما تھا۔ کینہ و انتقام، کیونکہ کینہ کا گناہ، کینہ کا ذوق، کینہ کا جہنم، کیا ہیں اُس سے وہ باخبر تھا۔ عشق، محبت، مربوطیت، شفقت، یہ چیزیں جن ہیں آدم قیمتی خزانہ خیال کر کے جنّت سے بھاگتے وقت اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ شیطان ان پر ہنستا تھا۔"

بُڈھی عورت کی گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی آواز میں ایک رُکاوٹ سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کہنے لگی:۔

مگر اے نوجوان عورت، شیطان بہت ہنسنے نہیں پایا۔ کیونکہ اُسے جلد بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جنّت سے نکالے ہوئے بدبخت انسان کے لئے عشق، اسکی تنہا تسلّی، اس کی تنہا مسرّت تھا۔ اور جنّت کی زندگی کی تنہا یادگار۔ انسان بیشمار زحمتوں، لاانتہا خطروں، بے پایاں تلخیوں کے باوجود اس جذبہ کی بدولت اس جذبہ کی قوت و عظمت کے طفیل میں اپنی حوّا کیساتھ پھر وہی جنّت کی زندگی گذارنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور اولاد آدم اپنی فانی ہستیوں کے تمام اضطراب و راُن تمام جفاؤنکو

جو آسمان سے اُن پر نازل ہو رہی تھیں۔ اس حسِ لطیف کے ذوق میں بھول گئے۔ انسانوں کے دلوں میں جبتک یہ جذبہ کار فرما ہے وہ اپنی مختصر زندگی میں ابدی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ گنہگار اولادِ آدم اس جذبہ کی بدولت آسمان کی یاد بھول جاتے ہیں۔ اپنی گم کردہ جنّت اپنے ہی میں پا لیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ دیوتاؤں کی سی زندگی اس خاک پر بسر کرنے لگتے ہیں مٹی سے محنت کر کے ثمرہ حاصل کرنا گرمی، سردی، طوفان، آندھی، بھوک، پیاس کا مقابلہ کرنا۔ اس مخلوق کے لئے لطف دینے لگا۔ اس وجہ سے کہ اُس جانور کی کھال جو سب سے پہلے شکار کیا گیا ایک محبوب عورت کے جسم کو سردی سے بچانے کے لئے پہنائی گئی۔ پہلا میوہ جو درخت کی شاخ سے توڑا گیا وہ، عورت کو کھلایا گیا۔ پہلا پھول جو چُنا گیا اُس سے محبوب عورت کو زینت دی گئی۔ ایک محبوب ہستی کی حفاظت، حمایت کرنا، اُسے راحت پہنچانا، اُسے خوش کرنا، ہو تو اژدہاؤں سے، دیووں سے، وحشی جانوروں سے مقابلہ کرنا، زمین کھودنا، پہاڑ کاٹنا، برف میں، تیز دھوپ میں، گرمی میں، سردی میں محنت کرنا۔ اک پُر لطف مشغلہ ہو جاتا ہے۔ چاہنے والے انسان کیلئے ہر چیز لطف دیتی ہے، زندگی پُر لطف ہوتی ہے، محنت و مشقت پُر لطف ہوتی ہے، اسلئے کہ موت جسکا ہر ایک کو خطرہ ہے۔ وہ ساعت محبت میں اک لطف، پر لذّت خطرہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ آدم جس وقت جنّت سے نکالا گیا۔ اُس سے کہا گیا۔ کہ تو مٹی

سے پیدا ہے اور مٹی کی طرف لوٹے گا۔ اور انسان نے یہ سوچ کر کہ مٹی کی طرف لوٹنا ہے اس وقت کو زیادہ حرص اور زیادہ شوق سے محبت میں صرف کیا۔ یہ خوف، یہ زمانہ جلد ختم ہو جائے گا۔ اُسے تلخی آمیز قوت کے ساتھ اس فرصت سے فائدہ اٹھانے پر مائل کرتا تھا۔ شیطان نے جب اس کا ادراک کیا وہ حرص اور غصّہ سے رو دیا۔ وہ غصّہ و حسد سے بھڑک اُٹھا۔ اُس نے تمام جنّات کو، پلید روحوں کو، بھوتوں پریتوں کو بُلایا۔ اس لئے کہ وہ عشق کو جو اولادِ آدم کی تنہا تسلّی تھا محو کرنا چاہتا تھا۔ مگر روح عطیۂ الٰہی ہے اور عشق روح میں متمکن ہے۔ اور عشق مقدّس اور ربّانی ہے۔ شیطان کا شر، اُس کی ملعنت اُسے دا غدار اُسے کمزور نہ کر سکتی تھی۔ اُس پر اُس کا جادو نہیں چلتا تھا۔ شیطان اور اُس کے مددگار عشق کو فنا کرنے، دنیا کی سب سے زیادہ صاف، سب سے زیادہ حسین چیز کو محو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کوشش میں برسیں گزر گئیں اور ابنِ آدم نے زمین کو بھرنا شروع کیا۔ عشق نے اُنھیں قوّت، شوق اور ہوس دی۔ اور اُنھوں نے دنیا میں صنعت، شعر، علم، فن، مذہب، بھلائی، انسان، ایک دوسرے کو چاہنے والے انسان، ایک دوسرے سے خوش انسان، ایک دوسرے کو خوشی و آرام دینے کے لئے کوشاں تھے۔ اِدھر شیطان اور اُس کی ذرّیت اپنی

اپنی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ اُس نے دُنیا میں مال و دولت، رقابت، حرصِ جاہ، وثروت وعزت۔ حرص جاہ، وثروت وتحکّم واقتدار چاروں طرف پھیلا۔ جنگ وجدال ایجاد کی۔ اور انسان، بھائی بھائی، ابن آدم، شیطان کے ہاتھ میں کھلونہ بن کر ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے لگے۔ شیطان کی ملعنت اُس کی برائیاں اپنا کام کرنے لگیں حالانکہ وہ یگانہ تسّلی، تمام مصیبتوں کا تنہا چارہ ابھی باقی تھا۔ بھوکے، پیاسے، گرمی وسردی میں ایک دوسرے سے لڑنے والے، ایک دوسرے کا خون پینے والے بھی اس جذبہ کے زیر اثر نرم پڑ جاتے تھے۔ الم وجفا، کینہ خونخواری کو دو حسین آنکھوں کے تصور میں بھول جاتے تھے۔ ہر بُرائی، ہر اضطراب سے بھاگ کر انھیں میں پناہ لیتے تھے۔ شیطان اپنی ذرّیت کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اُنھیں ڈانٹ رہا تھا۔ شیطان اب سمجھ رہا تھا کہ عشق کو فلاکت ومصیبت ومحرومیت کی ذریعہ سے وہ محو نہ کر سکیگا۔ اُس نے نئے نئے پُر لذّت ذوق وگناہ ایجاد کیئے۔ انسانوں کے جمگھٹ جو ہمیشہ سے شیطان کے کھلونے بنے رہے ہیں دَوڑ دَوڑ کے ان نوایجاد گناہوں میں مبتلا ہو رہے تھے۔ لیکن اُس بڑے عشق کے ذوق کو جو آسمان سے اُتر کر آیا تھا اُس حقیقی اور الٰہی عشق کے لطف کو کوئی چیز کوئی شے بُھلا نہ سکتی تھی۔ نہایت تیز شراب کا نشہ بھی محبوب عورت کی اک نشیلی نظر پر اب بھی فدا کر دیا جاتا تھا۔

ساغرِ چشم کی سرمستی کے سامنے ساغرِ مے کی اب بھی کوئی حقیقت نہ تھی۔ وہ اشرفیاں جو سبز میز پوش سی ڈھکی ہوئی میزوں پر سے قمار بازی کی ہار جیت میں اٹھائی جاتی تھیں اُن کا ہیجان، محبوب عورت کے تبسّم کے ہیجان کے مقابلہ میں اب بھی ہیچ اور بے اہمیت تھا عشق کا نشہ تمام نشوں سے بالاتر تھا۔ شام کے کسی تنہا و خالی گھنٹے میں ایک محبت کرنے والے جوڑے کی آنکھیں ایک دوسرے کو دیکھکر بغیر باتیں کئے، بغیر کچھ کہے، بغیر کچھ اشارہ کئے جو لُطف اور خوشی حاصل کرتی تھیں اُن کے مقابلہ میں شیطان کے نو ایجاد گناہوں اور لذّتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ شیطان حرص سے پیچ و تاب میں تھا۔ اُس نے غصّہ اور جلن سے بُڑھاپا، بیماری، بد شکلی، ایجاد کی اور بطور اپنے آخری حربہ کے ان چیزوں کو انسان پر مُسلّط کیا۔ محبوبہ ہائے دلنواز اپنے لمبے بالوں، اپنے مژگاں ہائے دراز کو کھو رہی تھیں، اُن کے چمکدار دانت گرنے لگے۔ اُن کے جسموں کی تازگی و تراوت برباد ہونے لگی۔ اُن کے سیاہ بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی پیدا ہونے لگی۔ عاشقوں کے بازوؤں کی قوت گھٹنے لگی۔ اُنکے چوڑے سینے جھکنے لگے۔ اُن کے قدم اُن کی زنخداں جن سے دانت گرنے شروع ہو گئے تھے رعشہ دار ہو گئے۔ زمین قبل اس کے کہ اُن کو اپنے میں قبول کرے یہ دیکھ رہی تھی کہ معشوقہ و عاشق کے بجائے معشوقہ و عاشق کے ڈھیر اُس کی طرف

آ رہے تھے۔ مگر یہ انسان جنھوں نے اپنے تئیں ابلیس بدبخت حالت میں پایا اپنی روح میں اُس پُرانی محبت کو گو اُس کی شکل تبدیل ہو گئی ہو موجود پاتے تھے۔ یہ پُرانے ہاتھ جواب رعشہ دار تھے ایک دوسرے کو تسلّی دینے کے لئے نوازش کا راز طریقہ سی ڈھونڈ رہے تھے۔ اور ان دو ہاتھوں کے نرم و شفقت انگیز اتصال میں کیسا حزیں ذوق موجود تھا۔ یہ بڑھاپے کی بدشکلی، بڑھاپے کی اذیت کو بھول جاتے تھے۔ ہاں ان ہاتھوں میں اگر ایک غیر معمولی تسلّی بخشنے والا حسن، اک قوی عشق نہ بھی ہو تو بھی اک روحانی محبت تھی۔ اک حرارت آمیز پاک و صاف محبت جس میں مربوطیت شفقت بڑوانت بھری ہوئی تھی۔ شیطان نے جب دیکھا کہ اس میں بھی اُسے ناکامی ہوئی تو اُس نے ایک نیا چارہ کار ڈھونڈھا۔ اُس کے خیال میں حسد آیا۔ اُس نے سوچا کہ انسانوں کے دلوں میں گھُس کر حسد کو وہاں متمکن کرے تاکہ وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں۔ اور جس رات اُس نے اسے سوچا اُس وقت اُس کے مقابلہ میں وہ جوڑا پیدا ہوا، وہ جوڑا جس کا کہ انجام میں تجھے اب بتاؤں گی۔"

بڈھی عورت تھوڑی دیر سانس لینے کے لئے ٹھہری۔

(۲۷)

کیا ہوا بالکل بند ہو گئی؟ رات میں سائیں سائیں کی آواز برابر آتی رہیگی؟

میرا سر درد کر رہا ہے..... میرا سر درد کر رہا ہے۔ سفید لباس والی عورت مجھ سے کہہ رہی ہے :-

(۲۸)

اُس کے بعد اُس نے مجھ سے کہنا شروع کیا :" یہ جوڑا اک مرد اور عورت پر مشتمل تھا۔ مرد وہ مرد تھا جو اپنی چہیتی عورت کو لے کر قدرت کے اک پاکیزہ ترین خطے میں بسائے ہوئے قصبہ میں اک نہایت خوبصورت گھر میں آکر ٹھہرا تھا۔ جس گھر کی زینتوں میں سب سے زیادہ زینت دینے والی چیز یہ حسین عورت تھی۔ اور یہ جوڑا خوش و خرّم جوڑا تھا۔ مرد عورت کو چاہ رہا تھا اور عورت اُسکی محبت پر فخر کر رہی تھی۔ یہ پرستش اُس کے غریب نفس کو اسقدر تسکین دیتی تھی کہ اُس کو اور کسی جذبہ کی احتیاج محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس عشق کے باہر وہ کسی چیز کو نہ ڈھونڈ تی تھی۔ اپنے حُسن کی فتحیابی کے سوا وہ ہر چیز کو ٹھکرا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مرد کے ساتھ بھی محبت نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ یہ نوجوان عورت ایسی عورت تھی جو صرف اپنے حُسن پر مغرور اور اس کے سوا دنیا کے اور کسی جذبہ سے بے خبر تھی۔ وہ اُن عورتوں سے تھی جو موسم بہار کی راتوں کی طرح زندگی قہقہوں کی آوازوں میں گذار دیتی ہیں۔ اور حیات جن کے نزدیک ہنسنے ہنسانے مگر اپنے نصیبے سے محروم رہنے کی عادت ہے۔

مرد اس چھوٹی سی دیوی کے قدموں پر قیمتی سے قیمتی ریشم، بے بہا جواہرات، نادر و کمیاب موتی لا لا کر ڈالتا تھا۔ مرد اس چھوٹی عورت کی بالکل اسی طرح پرستش کرتا تھا جس طرح ایک پجاری کسی دیوی کے بُت کی پرستش کرتا ہے۔ عورت مرد کی پہلو میں مست و مخمور، سجی بنی اور حسین تھی۔ اور اُسے خوش کرتی تھی۔ اپنی خوشی موضوع بحث نہ تھی، وہ خود مسرتِ مجسّم تھی۔ شیطان جس نے فضائے لامتناہی میں حسد و کینے کے جذبہ کو پھیلانا شروع کر دیا تھا اُن کی اقلیم مسرت میں بھی داخل ہوا۔ چاندنی رات تھی۔ کھڑکی کے شیشہ کے باہر ایک چمک پیدا ہوئی۔ اک مسافر کے لباس میں جو پہاڑ سے اُتر کر آیا ہو وہ باہر نمودار ہوا۔ اک خوش و خرم گھر کی روشنی و حرارت آفتاب کی مانند گرم و دل نواز ہوتی ہے۔ اس گھر کی روشنی سے ابلیس کی خودداری کو ٹھیس لگی جہنّم اور گناہ کے اس حاکم نے اپنے دل میں ایک لمحہ کیلئے تلخی محسوس کی۔ اُس نے اپنی معظم قدرت کو جو دنیا کے تمام گناہوں برائیوں کو رواج دینے میں اُسے حاصل تھی تھوڑی دیر کے لئے خستہ و کمزور پایا۔ شاید اُس نے اس لمحہ میں، اس خوشی و مسرت کی روشنی میں۔ اُن جیسا خوش و مسرور مخلوقِ فانی ہونے کی آرزو کی۔ اور اُس نے جب اس کا امکان نہ دیکھا۔ تو اس کے دل میں آتشِ حسد بھڑکی اور اُس نے ارادہ کیا کہ اُن کے درمیان اُس آگ

کو بھڑکا دے۔ یہ سوچ کے وہ اُس گھر کے اور قریب ہوا جس کی کھڑکیوں سے
ایسی مسرّت آمیز، حرارت انگیز روشنی نکل رہی تھی۔ مکان کی بالائی منزل پر وہ
کھڑکی تھی۔ اطلس اور ریشم کے باریک پردے اُس پر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں
سے اُس نے اندر کو جھانکا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک عورت ہے جو ایک ایسے سحّار
اور جادو بھرے حُسن کی مالک ہے جس کا خود وہ بھی تصور نہ کر سکتا تھا۔ اور اک
مرد ہے جو ایسے شدید عشق میں مبتلا ہے جس کا فرشتے بھی گمان نہیں کر سکتے۔
عورت آئینہ دیکھ رہی تھی اور اپنے حُسن پر ناقدانہ نگاہ ڈال کر اور اپنے حُسن کو
بے عیب پاکر خود ہی لُطف اٹھا رہی تھی۔ اور ہنس ہنس کر مرد سے کچھ کہہ رہی تھی۔
ہنستے وقت اُس کے دانتوں کا چمکنا باتیں کرتے وقت اُس کی آنکھوں میں نور کا
پیدا ہونا اُس کے بالوں کے جواہرات اُس کے جسم کو لپٹے ہوئے ریشمی کپڑوں
کی خوبصورتی اُسے ایک ملکۂ حُسن بنائے ہوئے تھی۔ اپنے نازک و موزوں بازوؤں کو
مرد کے زانو پر رکھے ہوئے تھی۔ جو ایک تکیئے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اپنے
حسین اور لمبے قد کو پیچھے کی طرف ڈالے ہوئے وہ اُس سے باتیں کر رہی تھی۔
وہ ایک خوبصورت بلّی کے بچّے کی طرح شوخ تھی۔ مرد عاشقانہ نظروں سے
اس عورت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی تمام روح، اپنے تمام عشق، اپنی تمام حیرانی

و پرتش سے اُس کی شوخیوں سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ کمرے میں پھولوں کے گلدستے تھے جن سے نہایت تیز خوشبوئیں نکل رہی تھیں۔ شیطان نے کھڑکی کے شیشہ پر دو تین دفعہ افسوں دم کیا اور اندر کی طرف نظر ڈالی۔ نوجوان عورت نے اپنے ابرو کو ذرا اونچا کر کے اک نگاہِ شوخ سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ مرد نے بھی اپنی نظریں اُٹھائیں۔ شیطان نے کھڑکی کے شیشہ پر پھر افسوں دم کیا اور نوجوان عورت کو اُس کا نام لے کر پکارا۔ مرد اک دیوانہ جانور کی طرح اپنی جگہ سے اُٹھا۔ وہ رشک سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے نوجوان عورت کی کلائی پکڑ کر اُس سے پوچھا:۔ "باہر کون ہے؟" نوجوان عورت کے ہونٹ بگڑے مگر اب بھی اُس نے اک ادا کے ساتھ ہنس کر کہا "میں کیا جانوں" ابلیس کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پھر نوجوان عورت کا نام لے کر اُسے آواز دی یہانتک کہ نام سے پہلے "پیاری" کا لفظ اور بڑھایا۔ مرد کے مضبوط ہاتھ نوجوان عورت کو کھڑکی تک گھسیٹ لے گئے۔ نوجوان عورت اب ہنستی بھی جاتی ہے اور اس خوف سے جواب اُس کے دل میں تھوڑا تھوڑا پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اندیشہ ناک نظروں سے مرد کو دیکھتی جاتی ہے مرد کے گھونسہ نے کھڑکی کے شیشہ کو ابلیس کے منہ پر توڑ دیا۔ نوجوان عورت نے ٹوٹے ہوئے شیشہ کے سامنے

اک نوجوان شہزادے کو دیکھا۔ اور اُس کے ریشمی اطلسی لباس۔ اُس کی جواہرات اور بالخصوص اُس کے حُسن سے وہ حیران رہ گئی۔ اور مرد نے اپنے مقابل کے اُس غیر معمولی رقیب کو وحشی جانور کے غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھا۔ کھڑکی کا نوجوان شہزادہ اب قہقہے مار رہا ہے اور نوجوان عورت کو پھسلانے والی شیریں اور پُرتاثیر آواز سے کہہ رہا ہے:" میری ننھّی حسینہ' میری ننھی ملکہ میں نے دور سے تمہاری دعوت کو محسوس کیا۔ اور میں آیا میں نے تمہارے حُسن کا شہرہ سُنا۔ اس لئے میں تمھیں لینے آیا ہوں۔ میں تمھیں اپنے ملک کو لیجاؤنگا۔ میرا ملک اک روشن' نیلگوں سمندر کے کنارے ہے۔ میرے طلائی محل کی کھڑکیاں اس سمندر پر کھلتی ہیں میں اس سمندر پر اپنی کشتی میں سوار ہو کر جسکے نقش ونگار یاقوت والماس سے سجائے گئے ہیں۔ جب ہوا خوری کے لئے نکلونگا تو ماہِ سیمین کا عکس سمندر پر عجب بہار دیگا دنیا کی بہترین مشہور ترین سازندوں اور گانے والوں کے بہترین راگ تمھیں سناؤنگا۔ میرے ہزاروں غلام میری ہزاروں کنیزیں تمہاری خدمت کے لئے انتظار کر رہے ہیں۔ میرے باغچہ کا سبزہ زمردین ہے' اور جہاں تمہارا قدم پڑیگا وہ مٹی نہیں کہربا ہو جائیگی۔ آؤ' اس اقلیم کو چلو جہاں ابدی پھول کھلتے ہیں۔ اس باغچہ میں آؤ۔ چھوٹی ملکہ! اس شہر کو چھوڑو جہاں کبھی برف ہے کبھی جہنم کی گرمی ہے' کبھی ابر و باراں سے کیچڑ ہے۔

جہاں پھول کی عمر کوتاہ، جہاں بہار کی عمر کوتاہ۔ اس ملک کو چھوڑ و جہاں حسینوں کی عمر کوتاہ ہے۔ اس فانی مرد کو چھوڑ۔ اُسے اُن چھوٹی چھوٹی چیزوں سے زیادہ دینے کی قدرت نہیں ہے جس پر انسان کا قبضہ ہے۔ میں تمھیں فضائے لامتناہی کے تمام خزانے دونگا۔ میں تیرے سر کو اُس تاج سے مزین کرونگا جس میں آسمان کے ستارے لگائے گئے ہونگے۔ میں تمھیں بتاؤنگا کہ غیر فانی، ابدی ہونا کیا لطف رکھتا ہے۔ دیکھو میں حسین، پرقوت، باقدرت۔ فوق الانسان ہستی ہوں۔ تم میرے پاس جس وقت آؤگی۔ تو میرے آئینے ہمیشہ ہمیشہ تمہارے چہرے کو خوبصورت، تازہ و فسوں کار دکھائینگے۔ سمجھتی ہو؟ میرے ساتھ آؤگی تو بڑھاپا اور بد شکلی تمہارے لئے کبھی نہ ہوگی۔ آؤ میری خوبصورت ملکہ آؤ۔"

نوجوان عورت اس آواز کو سُنکر جس میں بلا کی دلکشی، بلا کا فسوں، بلا کا جذب تھا آہستہ آہستہ بڑھی۔ کھڑکی کے اور قریب گئی۔ اُس نے اپنے حسین ہاتھوں کو جو معلوم ہوتا تھا ہاتھی دانت کے بنے ہوئے تھے ابلیس کے ہاتھوں میں دینے کے لئے آگے بڑھایا۔ کمرے میں ایک شخص اس طرح چلّا رہا تھا جس طرح کسی حیوان کو زندہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ نوجوان عورت نے محسوس کیا کہ اُس کے حسین جسم کو دو قوی اور گرم ہاتھوں نے اپنی طرف کھینچا۔ یہ عاشق ہا

اُس کی نازک کمر کو اپنی طرف کھینچتے وقت دبا رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد نوجوان عورت باغیچہ میں کھڑکی کے سامنے ایک مردہ آہو کی طرح غمگین مگر حسین شکل میں پڑی ہوئی تھی۔ نوجوان شہزادہ ایک دھوئیں کی طرح میدان سے غائب ہو گیا ایک چھریرے بدن کا کشیدہ قامت آدمی اس میّت کے سامنے کھڑا ہوا تھا وہ اس میّت کو معاف نہیں کر رہا تھا۔ اُس کے دل میں غصّہ و کینہ بھرا ہوا تھا۔ اُس کے دل میں قہر و انتقام کا جذبہ تھا۔ اور جس طرح اُس کا عشق تباہ و برباد ہوا تھا۔ وہ دنیا کو تباہ و برباد کرنا، دوسروں کے عشق و محبت، دوسروں کی مسرتوں کو تباہ و برباد کرنے کا تہیّہ کر رہا تھا۔ وہ اپنی خونی آنکھوں، اپنے انتقام لینے والے ہاتھوں کے ساتھ خاموش وہاں کھڑا تھا کہ اتنے میں اُس کے کندھے پر کسی کا ہاتھ آکر لگا۔ یہ ہاتھ ابلیس کا ہاتھ تھا۔ مگر ابلیس اب ایک نوجوان شہزادہ کی شکل میں نہ تھا۔ وہ حسین نہ تھا، فسوں کار نہ تھا، دل کش نہ تھا۔ وہ وہاں اپنے تمام کینہ و ملعنت، اپنی تمام بدشکلی و چرکینی کیساتھ وہاں کھڑا تھا۔ اور اس لمحہ میں اس دراز قد کا بوس آدمی نے کینہ کے نشہ کو محسوس کیا۔ اور اُس کو معلوم ہوا کہ وہ سامنے کھڑا ہے اسکے بعد اُس کا اُستاد، اس کا آقا ہوگا۔ اُنھیں ایک دوسرے سے بات کرنیکی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اُن کی نظروں ہی کے ذریعہ سے معاہدہ ہو گیا۔ نوجوان عورت بڑی مصیبتیں، بڑی

تمنیاں، اک آگ کی طرح ہمارے دل کی حقانی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔
اُس دراز قد مایوس آدمی کے تمام جذباتِ نیکی جل کر خاکستر ہو چکے تھے اور وہ
شیطان کا بندہ ہو چکا تھا۔

بڈھی عورت نے اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے مجھے دُور کی اُس سیاہ عمارت کو
دکھا کر کہا:۔ "یہ ہے وہ گھر نوجوان عورت! یہ واقعہ سالہا سال گذرے اس
ویرانہ میں ہوا تھا۔ وہ نااُمید و بدبخت انسان ان چنار کے درختوں کے نیچے
شیطان کا مُعین و مددگار بنا تھا۔ اور وہ آدمی، وہ تمام خوشیوں، تمام محبتوں کا دشمن
آدمی، ابتک زندہ ہے دُنیا کے ہر طرف گشت کر رہا ہے۔ ہواؤں کے ساتھ
ہر جگہ پہنچتا ہے۔ موت اور مصیبت کی طرح اُس سے کوئی جگہ بچی نہیں۔ شیطان
یہ معین و مددگار حسد ہے۔ یہ آدمی عشق و محبت خوشی و مسرت کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے
دشمن ہے۔ اور جس وقت ہمارے ملک میں کوئی نئی مصیبت شروع ہوتی ہے
اُس وقت اس ویرانے کی کھڑکیوں میں سے جو اُلوؤں اور کوؤں کا نشیمن ہے
روشنی پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ اُس وقت اپنی تاریکیوں سے نکلتا ہے اور اپنے
لمبے قد کے ساتھ اک سیاہ سائے کی طرح چاندنی راتوں میں مزاروں میں
دکھائی دینا شروع ہوتا ہے"۔

بُڈھی عورت نے اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں میرے ہاتھوں کو لیا اور کہنے لگی "شاید دس پندرہ دن پہلے ایک رات تھی۔ سیاہ و تاریک آسمان پر صرف تارے جھِلمِل جھِلمِل کر رہے تھے۔ کچھ بُڈھے گاؤں میں اپنے گھروں کے باہر بیٹھے حقے پی رہے تھے۔ کہ اُنھوں نے ایک دُبلے آدمی کو جو سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اِدھر سے گذرتے دیکھا اور اُن میں سے ایک نے جو سب سے بُڈھا تھا اُسے پہچانا اور کہا :" یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے جو بہت برسوں پہلے اپنی مری ہوئی محبوبہ کو یہاں سے لے گیا تھا" نوجوان عورت! تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں پھر واپس آیا ہے؟"

میں نے اپنا چہرہ اُس کی طرف اٹھایا۔ اُس کے چہرے پر ایک شیطانی مُسکراہٹ تھی۔ اور اُس کے بعد اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔ اُس کا مُنہ ایک سیاہ کنوئیں کی طرح تھا جس میں سے یہ آواز نکلی :" نوجوان عورت! وہ اسلئے یہاں آیا کہ تجھے بدبخت کرے۔ چونکہ دنیا میں جب تک حسد و بدبختی ہے اُس وقت تک تیری طرح محبّت کرنے والی اور تیری طرح چاہنے والی ایسی بیباک بےخطر محبّت نہیں ہوسکتی۔ اور تجھے اجازت نہ دی جائے گی کہ ایسی بےخوف ہوکر محبّت کر سکے"

وہ ہنس رہی تھی اور میں نے اُس کی ظالم ہنسی کو نہ دیکھنے کے لئے اپنی نظروں کو زمین پر گاڑ دیا۔ اُس کے ہاتھوں نے جو میرے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے ۔ آہستہ آہستہ چھوڑ دیا۔ قہقہہ بند ہو گیا۔ میرے پاس کوئی نہ تھا۔ بڈھی عورت اسقدر جلد کہاں چلی گئی تھی ؟"

(۲۹)

سفید لباس والی عورت اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی دباتی ہے اور کہتی ہے:-

(۳۰)

میرے دل میں ہر روز اک خوف ترقی کر رہا تھا۔ اب میں ہنسا، بات کرنا بالکل بھول گئی تھی۔ اب میرے ذہن، میرے اعصاب میں اک درد، اک کرب تھا۔ میں وہم اور ڈر میں مبتلا تھی میں سوچتی تھی کہ وہ مجھے کس طرح بدبخت کریگا۔ میں اپنی مسرت کی کس طرح محافظت کر سکونگی۔ میں تنہا اُس سے کس طرح مقابلہ کر سکوں گی۔ میں بیچاری تو اک ضعیف عورت ہوئی۔ جو صرف چاہنا، محبت کرنا جانتی ہے۔ جو کچھ مجھ پر گذر رہا تھا، میں اپنے خاوند کو سمجھا نہ سکتی تھی۔ وہ یہی کر رہا تھا کہ میں بیمار ہوں۔ میری باتوں پر یقین نہ کرتا تھا۔ یہ خوف مجھے اک عذاب میں مُبتلا کئے ہوئے تھا کہ اگر میں اپنے شوہر سے ایک منٹ بھی

بھی علیحدہ ہوئی تو نہ معلوم مجھ پر کیا مصیبت پڑے ۔ اور جب میں اُس کے پاس ہوتی تھی ۔ تو پہلے کی طرح ہنس بول نہ سکتی تھی ۔ ہوا کا جھونکا آتا، پتوں کا کھڑکا ہوتا، غرضکہ ہر چیز، ہر آواز سے میں اک مصیبت کی منتظر رہتی تھی ۔ آفتاب کی شعاعوں، چاندنی کے سایوں میں مجھے خوف و خطرہ ہی نظر آتا تھا ۔

سیاہ لباس والا آدمی، ہر لمحہ، میرے پاس، میرے پیچھے، ہمارے درمیان تھا جب میں اُسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی، اُس وقت بھی میں پورے یقین سے محسوس کرتی کہ وہ موجود ہے ۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہر وقت اپنی نظروں سے مجھے گھیرے ہوئے ہے ۔ اور سائے میں گوشے میں، شیطانی ذہانت سے ہماری تباہی کی تیاریاں کر رہا ہے ۔

(۳۱)

بارش ہونے لگی اور اُس کے موٹے موٹے قطرے، تاکِ انگور کی چھت میں سے چھن چھن کر ہم پر گرنے لگے گرج اُسی شدّت سے ہے بجلی کی متواتر، آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی ہے ۔

(۳۲)

پھر اک دن تھا، بہار کب کی ختم ہو چکی تھی ۔ اور جاڑے کی آمد آمد تھی،

درختوں کے پتّوں پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ آفتاب بھی زرد پتّوں کی زردی لئے ہوئے افق میں غروب ہو رہا تھا۔ میں اُس راستے کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی جو جنگل کو جاتا ہے۔ وہاں بیٹھی میں اپنے شوہر کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی، جو شہر کو گیا تھا۔ اُس راستے سے جو سوار دُور سے نظر آتا میں سمجھتی میرا شوہر آرہا ہے۔ میں بے صبری سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور دل میں ڈر بھی رہی تھی۔ دل بہلانے کے لئے اس موسم کے زرد پھولوں کا ایک گلدستہ بھی تیار کر رہی تھی۔ ہوا چل رہی تھی اور میرے ہاتھ میں جو زرد پھول تھے اُن کے پتّوں کو ہلا رہی تھی، وہ زرد ریشمی رومال جو میں سر پر ڈالے ہوئے تھی اُس کے کنارے ہوا سے مستانہ وار ہل رہے تھے۔ اور میں اک غمگین اور دلدوز گانا۔ جو اس موسمِ خزاں کی طرح پُرحسرت تھا، گا رہی تھی۔ میری آواز میں وہ اُداسی تھی جو اس موسم اور اس وقت سے ہم آہنگ تھی، نہ معلوم کتنی دیر تک، اور کتنی دُور تک ہوا میری آواز کو لیگئی مجھے خبر نہیں۔ آفتاب فضا کو تاروں کے سپرد کر کے، غروب ہو چکا تھا۔ ا... محبوب کا گھوڑا ابتک نظر نہ آتا تھا۔

نہ معلوم کہاں رہ گیا؟ میرے دل میں وہم اندیشہ پیدا ہونا شرو... میں سوچ میں پڑ گئی۔ پھولونکا گلدستہ، جسے میں نے بڑے اہتمام سے تیار کی...

اور ہوا پھولوں کو گرانے لگی۔ مجھے اس کی بھی خبر نہ ہوئی میں نگاہ ڈالے سفید مٹی سے بھری سڑک کو دور تک کوشش سے دیکھ رہی تھی، اور گنگنائے جا رہی تھی۔

ایک آواز سے میں یکایک چونکی ۔

"نوجوان عورت کیا اچھا گا رہی ہو"۔

میں نے اپنا سر اُٹھایا، میرے سامنے ایک پیر مرد نظر آیا۔ جو سبز عمامہ اور سیاہ جُبّہ پہنے ہوئے تھا، لمبی سفید داڑھی تھی۔ اُس کا چہرہ ولیوں کی طرح سفید و نورانی تھا، اور اُس کی شفقت بھری آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔

اُس کی سفید لمبی داڑھی کو ہوا پریشان کر رہی تھی، اور وہ تبسّم جو اُس کے ہونٹوں سے، اُس کی صاف و شفاف داڑھی اور مونچھوں میں سے نکل رہا تھا، مجھے نوازش کارانہ حرارت بخش رہا تھا۔

ایک آواز سے جو اُس کے تبسم کی طرح حرارت و نور پاش تھی، اُس نے کہا:۔

خوبصورت لڑکی میں تجھے پہچانتا ہوں۔ تیرے درد والم سے واقف ہوں۔ ۔۔۔ت! سعادت عشق اللہ سے متعلق ہیں۔ آسانی سے برباد نہیں کئے ۔۔۔ شخص ہر مشکل کے باوجود محبت کرتا، حقیقی محبت کرتا ہے۔ وہ ضرور خوش ۔۔۔ ہکاد ۔۔۔

ہر مشکل کا مقابلہ کریگا سمجھتی ہو میری بچّی! کسی چیز سے مت ڈرو۔"

اُس کے ہاتھ جس میں سے اُس کی باریک پتلی رگیں عیاں تھیں، میرے بالوں اور پیشانی سہلا رہے تھے۔

"اُنھوں نے جو کچھ تیرے مقابلہ میں کرنا شروع کیا ہے وہ اُن کا پہلا تجربہ ہے۔ میری بچّی! وہ تجھے ڈرا کر تجھے پریشان کر رہے ہیں۔ تجھے مکدّر اور غمگین کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تیرے حُسن کو خوف اور پریشانی زائل کر دیگی۔ اور جب تیرا حُسن زائل ہو جائیگا تو تجھے چاہنے والے آدمی کا عشق بھی ختم ہو جائیگا۔ حالانکہ اُس عورت میں جو عشق سے غمگین ہو ایک ایسا فردوسی حُسن ہوتا ہے جو اپنے عاشق کو بالکل اپنے ساتھ جکڑ لیتا ہے۔ اگر اپنے محبوب کے دل کو اپنے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مربوط کر سکو تو وہ تمہارے ساتھ کتنی ہی بُرائی کریں تمہیں ضرر نہیں پہنچیگا۔ میں اُس کی نورانی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جس میں سے حزیں نظریں نکل رہی تھیں۔ وہ ایک ایسے پیغمبر کی طرح جو ایک بڑی جماعت کو ایک نیا دین تلقین کر رہا ہو روحانی آواز سے کہہ رہا تھا:۔

"خیال رکھو میری بچّی! اپنے محبوب کے دل کی ہمیشہ حفاظت کرو۔ اُس کا دل جس دن سے تمہارا ہو گیا۔ اُس کے بعد تمہارے لئے دنیا میں کوئی مص

نہیں۔ ایک چاہنے والی عورت کی مصیبت صرف یہ ہے کہ وہ کسی دن چاہی
نہ جائے۔ ہمیشہ چاہی جانے کے لئے ہمیشہ اپنے محبوب کے دل پر قبضہ رکھنے
کے لئے تجھے لازم ہے کہ اپنی تازگی اور خوشی کے آفتاب کو ڈوبنے نہ دے
ہنس! حسین رہ اور محبّت کر اور کسی چیز سے مت ڈر۔"

میں نے تعظیم سے سر خم کیا۔ اور اُس کے جبّہ کے دامن کو اور اِس کے
بعد اُس کے ہاتھوں کو حُرمت کے ساتھ بوسہ دیا۔ اس کی آواز ایک مقدس
تسلّی کی طرح مجھے گرمی پہنچا رہی تھی۔

میں نے کہا: "میں آپ کی نصیحت پر عمل کرونگی۔ میرے دل میں جو نا اُمیدی
چھا گئی تھی۔ جو غم طاری ہو گیا تھا آپ کی نصیحت نے اسے دور کر دیا۔ آپ کا فرمانا
صحیح ہے اُس کا دل جب میرا ہو گیا۔ اُس کے بعد
میرے لئے کوئی چیز مصیبت نہیں ہو سکتی۔ جبتک وہ مجھے چاہتا ہے میں ہر
[illegible] برداشت کر سکتی ہوں۔"

[illegible]ھے بزرگ نے اپنے ہاتھ میری پیشانی پر پھیرے اور کہا:۔ جاؤ میری
[illegible]، اپنے گھر جاؤ۔ اندھیرا پھیلتا جاتا ہے۔ تمہارا شوہر جہاں کہیں بھی ہوگا،
تمہارا [illegible]۔ شام کے بعد تنہا مت پھرا کرو۔ سورج ڈوبنے کے بعد فضا میں

خبیث روحیں گشت کیا کرتی ہیں۔ فوراً اپنے گھر کو لوٹو اور ایمان قلب کیساتھ اپنی خوشی اور مسرّت کو بجھنے نہ دو، اور ہمیشہ اپنے محبوب کے دل پر قبضہ رکھنے کی کوشش کرو۔"

مقدس بزرگ ایک سفید غبار کی طرح ہوا میں مِلکر غائب ہوگیا۔

(۳۳)

تیز ہوا معلوم ہوتا ہے کہ درختوں کو جڑ سے اکھاڑ دیگی، تاکِ انگور کی چھت ہل رہی ہے، میں کانپ رہا ہوں۔ میرے سر میں شدید درد ہے۔

(۳۴)

راستہ پر اندھیرا چھا گیا تھا، میں گھر کو لوٹی۔ اور اپنے دل میں کہتی جاتی تھی۔ "جب اُس کا قلب میرا ہوگیا تو پھر کوئی چیز مجھے نہیں ڈرا سکتی۔"

اس فقرے کو دُہراتی ہوئی میں راستہ طے کر رہی تھی۔ اور ایک خندق کے کنارے سے گزر رہی تھی کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی جھاڑی میں میرا دامن اٹک گیا میں رُک گئی، اور پھر کر دیکھا، نیم تاریکی میں، مجھے ایک چہرہ نظر آ[illegible] ڈھانچ سے مشابہ تھا اس کا ہاتھ میرے زرد ریشمی دامن کو کھینچ رہا تھا، اُ[illegible] خندق میں سے مجھے دیکھنے والا، وہی تھا، وہی سیاہ لباس والا اجنبی، [illegible]

میرے ہاتھ سے گر پڑے اور ایک ہلکی چیخ میرے ہونٹوں سے نکلی۔

اُس نے کہا" ہاں تم مجھ سے اب نہیں ڈروگی، بار بار تم ابھی یہ ہی تو کہتی جا رہی تھیں۔"

ایک دم مجھ میں وہ جسارت آگئی جو ایک چاہنے والی عورت میں ہوتی ہے۔ اور میں نے ایسی ہنسی ہنس کر جو ایک خوش عورت، اپنے محبوب سے چاہے جانے والی، عورت، ہنس سکتی ہے جواب دیا۔

"ہاں۔ اب میں تجھ سے نہیں ڈرتی"۔

نیم تاریکی میں اُس کی شکل میں جو ایک ڈھانچ سے مشابہ تھی ایک عجیب پُرمعنی کیفیت پیدا ہوئی اور اُس نے کہا:۔

"تم دیکھنا چاہتی ہو کہ میں کیا کرسکتا ہوں ؟"

اور اس کے بعد ایک ایسی آواز سے جس کا میں مقابلہ نہیں کرسکتی تھی:۔

"آج رات جس وقت بارہ کا گھنٹہ بجے یہاں پہنچو، اور یہاں جو تمہارا [illegible] کر رہا ہو اُس کے پیچھے ہو لو"۔

"میں" نہیں" کہنے والی تھی مگر نہ کہہ سکی۔ میرا سر تعمیلِ حکم کے طور پر خم ہو گیا، گویا [illegible] تمام جسم میں لرزہ تھا۔

(۳۵)

سفید لباس والی عورت ایک سیکنڈ کے لئے ٹھیری، میرے جسم کے رونگٹے
کھڑے ہیں۔ میری آنکھیں، ان آنکھوں پر گڑی ہوئی ہیں جو آگ کی طرح چمک رہی
ہیں۔ سفید لباس والی عورت ہَوا کی شدّت مختلف آوازوں کی کھڑبڑاہٹ سے
بے پرواہ ہوکر۔ نہایت صاف آواز سے کہہ رہی ہے :-

(۳۶)

کوٹھی کی، بالائی منزل کی گھڑی نے جس وقت بارہ بجائے، میں اپنے ریشمی
بستر پر سے اُٹھ کھڑی ہوئی، ہر قسم کے خوف کے باوجود ایک ایسی آرزو نے جس کا
میں مقابلہ نہیں کرسکتی تھی، نہیں نہیں، ایک آرزو نہیں۔ ایک مجبوریت نے مجھے
کھڑا کردیا۔ میں اپنے سفید لمبے شب خوابی کے لباس میں خوفزدہ تھی۔ اور کمرہ کے
قالین پر ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ اپنے خوف اور اوہام کے باوجود میں اُس کے حکم
کے زیرِ اثر تھی جو نیم تاریکی میں مجھے دیا گیا تھا۔

میں نے اپنے بالوں کو اپنے شب خوابی کے لباس میں، اپنے کھلے
ہاتھوں کو سیاہ ریشمی شال سے ڈھانپ لیا۔ اسلئے کہ میرا شوہر جاگ نہ
میں پنجوں کے بل چل کر زینہ سے اُتری۔ پُرانا پھاٹک چرچراہٹ کے

ایسی فضا پر کھلا جو تاریک تھی، جس میں تند ہوا چل رہی تھی، جس میں ستارے تک نظر نہیں آتے تھے۔ بادلوں سے میرے جسم پر بڑے بڑے قطرے گر رہے تھے؛ اور میں سردی میں ٹھٹھر رہی تھی۔ مگر میں ان سب کے باوجود سیاہ تاریک رات میں ہانپتی کانپتی آگے جا رہی تھی۔

آخر کار میں خندق پر پہنچی۔ مگر وہاں میں نے کسی کو نہ پایا۔ یکایک جھاڑیوں میں سے دو سبزی مائل آنکھیں مجھے دیکھتی نظر آئیں۔ اس کے بعد وہ سیاہ رات کی طرح ایک سیاہ بلّی اپنے ریشمی بالوں اور نرم جسم کو میرے جسم سے سہلا رہی تھی، پھر وہ رُکی اور میری طرف دیکھا اور اس کے بعد چلنا شروع کیا۔

دُور، فاصلہ پر بجلی چمک رہی تھی۔ بلّی کبھی کبھی میری طرف مڑ کر دیکھ لیتی تھی اور میں ان دو آنکھوں کے پیچھے جن سے فاسفورس نکلتی معلوم ہوتی تھی۔

ہم تاریکی میں جا رہے تھے، کتنا چلے یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ میرے شب خوابی کے سفید دامنوں میں کیچڑ لگ گئی تھی۔ میرے پاؤں سردی اور کیچڑ اور پتھروں کی وجہ سے [illegible]ر رہے تھے۔ اور اُن پر خراش پڑ گئے تھے۔ ہم ایک سیاہ اور تاریک جنگل کے [illegible]میں پہنچے۔

[illegible] کاد[illegible] جو مجھے یہاں تک لائی تھی۔ گھنے درختوں میں غائب ہو گئی۔ تاریکی میں،

میں تنہا تھی۔ اپنے سیاہ شال میں میں نے اپنے تئیں اور لپیٹ لیا، میں سردی اور خوف سے کانپ رہی تھی، تاریکی میں درخت اژدہے معلوم ہوتے تھے۔ جو کھڑی پھنکارے مار رہے تھے کہ میرے پاس سے ایک آواز آئی :۔

"ادھر دیکھو"۔

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ آدمی جو اس تاریک رات کی طرح پُر ہیبت تھا۔ اسی سیاہ رات کی طرح سیاہ کپڑے پہنے ہوئے وہاں کھڑا تھا۔

(۳۷)

سفید لباس والی عورت خوفزدہ ہو ہو کر مجھے سنا رہی ہے :۔

(۳۸)

وہ مجھے ایک نقطہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو ایک گہرے غار کی طرف نظر آتا تھا۔ اس غار میں ایک زرد لرزتی ہوئی روشنی نظر آتی تھی جو غار کی آدھی تاریکی کو دور کر رہی تھی۔

سیاہ لباس والے آدمی نے میرے جسم کو جس میں اب مقابلہ کی طا[illegible] نہ تھی اس غار میں گھسیٹا۔ ایک سر چکرا دینے والی سُرعت سے ہم نیچے اُ[illegible] یہ مقام نیم تاریک تھا۔

اور ایک لرزاں روشنی میں، دُور تک۔ اتنی دُور تک جو حدِ نظر سے بھی بہت آگے تھی۔ ایک مردہ جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہاتھوں میں چمکدار ہانسی لئے ہوئے، اُن پودوں کو جن میں تازہ پھول کھلے ہوئے تھے کاٹ رہا تھا۔

ہانسی کی یکساں آواز میں ایک آہنگ تھا جس سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا:۔

"دیکھو! ہڈیوں کا ڈھانچہ انسان کی خوشیوں کو کاٹ رہا ہے پھول، شاخیں، پودے جو کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ وہ خوشیاں ہیں، وہ عشق ہیں جو محو ہو رہے ہیں۔"

اس نے اپنی باریک اُنگلیوں سے ایک گملہ کی طرف اشارہ کیا جس میں نہایت سُرخ پھول کھِلے ہوئے تھے اور کاٹنے والی ہانسی کاٹتی ہوئی جس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اُس نے ہنس کر کہا:۔

"یہ ہے تمہارا عشق، اے نوجوان عورت! یہ ہے تمہاری خوشی!"

ہانسی اپنا کام کر رہی تھی اور کاٹتی جا رہی تھی۔ ہانسی، سُرخ پھول والے ... کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

"آؤ! میں تمھیں دکھاؤں کہ میں تمہارے عشق کو کس طرح برباد کروں گا۔"

یہ کہکر وہ مجھے گھسیٹ کر اور آگے لے گیا۔

ہانسی، ہڈیوں کے ڈھانچ کے ہاتھوں میں چمک چمک کر ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

ہانسی، بلا توقف، عشقوں کو، محبتوں کو کاٹ رہی تھی۔

میری آنکھیں خوف سے کھُلی ہوئی تھیں۔

ڈھانچ کے ہاتھ میں ہانسی تھی اور گملہ میں میری خوشی اور محبت..........

میری نظریں اُن پر گڑی ہوئی تھیں۔

(۳۹)

میرے دانت بج رہے ہیں...... پانی شدت سے برس رہا ہے۔ اور باغیچہ کی روش کی بجری کو بہا لئے جا رہا ہے۔

سفید لباس والی عورت کہہ رہی ہے:۔

(۴۰)

غار کے اندر ایک چوڑے اژدھے کی طرح بل کھاتا ہوا سیاہ۔ بہ
اور بہت میلا پانی بہہ رہا ہے۔ غار میں جو راستے بنے ہوئے ہیں۔ اُن پر چ
دشوار ہے۔ کانٹے اور پتھر میرے پانوؤں کو زخمی کر رہے ہیں، نہ معلوم کتنی د

وہ مجھے اس اذیّت دینے والی، کھولانے والی تاریکی میں لئے پھرا۔۔۔۔۔۔۔۔

یکایک ہم ایک غار کے کنارے پر پہنچے جو فریادوں اور اضطراب و آتش اور گندگی سے بھرا ہوا تھا۔

میری پریشان اور خوفزدہ آنکھیں ایک چوڑے جسم کی بڈھی عورت پر پڑیں جس کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ جس کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ یہ عورت قہر و غضب کے ساتھ اِدھر اُدھر غار میں پھر رہی تھی۔

اس کا ہر ایک بال سانپ کی طرح لہرا رہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر ہوا میں اپنا ہاتھ گھونسا تان کر پھرا رہی تھی۔ غار ایسے آدمیوں سے بھرا پڑا تھا۔ جن کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے پھر زخمی تھے۔ جسموں پر دانے اُبھرے ہوئے تھے۔ جو بیماروں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ شکلیں کریہہ، جسم پھُولے ہوئے۔

بڈھی عورت کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ چہرہ توے کی طرح سیاہ تھا اُس کے سر کے سانپ، اُس کے منہ کے زہر، اُن بیچاروں پر نئی آفتیں ڈھا رہی تھی تلخیاں پھیلا رہے تھے۔

میرے ساتھی نے گھٹی ہوئی آواز سے کہا:۔

"دیکھتی ہو! عورت، یہ وہ بدشکلی ہے جو تمام حسینوں کو، تمام خوبصورتیوں کو

تباہ و برباد کر دیتی ہے .... یہ بڑھاپا ہے، یہ بیماری ہے ......
عشق اور خوشیوں اور مسرّت کو محو اور نابود کرنے کے لئے میں نے اسی بلائے مجسّم کو ان پر مسلط کر دیا ہے، انسانوں کو بدبخت کرنے کیلئے انسانوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے میرے پاس یہ سب سے بڑا آلہ ہے۔
نوجوان عورت! میں ایک ذرا سے اشارہ سے تجھے اس غضبِ مجسّم پر پھینک سکتا ہوں۔ جانتی ہو، اس کے پاس جانا۔ اس کے ہاتھوں میں پڑنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

میں کانپ رہی تھی میں نے جواب نہیں دیا .... وہ کہے جا رہا تھا:۔
"اُس کے ہاتھوں میں پڑنا، بالوں کے گرنے، دانتوں کے ٹوٹنے، آنکھوں کے نور کے زائل ہو جانے، چہرے کے رنگ کی تازگی، جسم کی محنت، دل کے نشے، اور ان سب سے بڑھ کر محبوب کے عشق کو کھو دینے کے مرادف ہے کیونکہ انسانوں کا عشق ذوقِ نظر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تمہارے حُسن، تمہاری تازگی کا جادو ہی مٹ گیا ......"

میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا: "قبل اس کے کہ میری یہ حالت ہو اپنے تئیں اُس کی نظروں سے پنہاں کر جاؤں گی۔ میں اُس کے پاس سے فرار ہو

میں قبل اس کے کہ وہ مجھ سے بیزار ہو، بھاگ جاؤنگی، تاکہ میں اُسے تصور میں ہمیشہ حسین اور فسونکار ہی نظر آؤں۔"

"تمہیں خبر ہے کہ تم اس سے بھاگ کر جاؤ گی تو کیا ہوگا؟"

"وہ مجھے ہمیشہ ہمیشہ چاہا کریگا۔ مرتے دم تک یاد کریگا۔ اس کا دل ہمیشہ ہمیشہ مجھ سے وابستہ رہیگا۔"

سیاہ لباس والا آدمی قہقہہ مار کر ہنسا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ جب تم بھاگ جاؤ گی تو کیا ہوگا۔"

وہ مجھے گھسیٹ کرلے گیا۔ اس بدبودار، زہریلے، فریادوں بھرے، مضطرب غار سے ہٹا کرلے گیا۔

چلتے چلتے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آسمان کے ستارے چمکنے لگے ہوا خوشبودار ہوگئی۔ جس نے میرے تمام جسم اور اعضا کو گھیر لیا اور راحت پہنچانی شروع کی......

اب ہم ایک جگہ پہنچے جہاں شیریں گانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ بھیڑوں کے بچے ممیا رہے تھے، اُن کے گلوں کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں اپنی ہلکی ٹنٹناہٹ سامعہ نواز تھیں۔ اور ان سب لطیف آوازوں میں، اور ان سب سے بالاتر

ایک پُرنشہ مگر اُداس بانسری کی آواز تھی۔

(۴۱)

سفید لباس والی عورت اب زیادہ تھکی ہوئی آواز سے کہہ رہی ہے۔ مگر میرے کان بج رہے ہیں۔

(۴۲)

ہم جہاں پہنچے۔ میں نے سوچا یہ جنّت ہے۔ اُف میں نے غلطی کی۔ یہ آسمان کی جنّت نہ تھی، یہ شیطان کی جنّت، گناہ کی جنّت تھی۔

ایک سے ایک بڑھکر حسین لڑکیاں، نوجوان عورتیں، جن کے سیاہ بالوں میں پھول لگے ہوئے تھے۔ اور ان پھولوں سے ایسی خوشبوئیں نکل رہی تھیں جو انسانکو مدہوش کر دیں، جن کی کمریں نازک، جن کے قد موزوں، جن کے ننگے پاؤں چھوٹے اور خوبصورت تھے۔ ایک چمن کے زمردین فرش پر رقص کر رہی تھیں۔

ایک طرف عورتوں کا ایک جھرمٹ تھا۔ اُن کے جسم کو ریشمی ساڑیاں لپٹی ہوئی تھیں، یہ زمین پر لیٹی ہوئی اس خوبصورت رقص کی سیر کر رہی تھیں۔ اور تالیاں بجا بجاکر داد دے رہی تھیں۔

صاف اور شفاف انگور کے دانوں اور پتیوں سے چھن چھن کر چاند کی روشنی

زمین پر پڑ رہی تھی، باغ میں مست کرنے والی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ نوجوان چرواہے، جو اک خوبصورت حیوان کی طرح پھرتیلے تھے، بالسری بجا رہے تھے، جن پر ناچ ناچا جا رہا تھا، اور فطرتی ذوق وشوق ہوا میں پھیل رہا تھا۔ آبشار گا رہا تھا، شاخِ گُل پر بُلبُل مترنّم تھی۔ بلوریں جاموں میں، ارغوانی عشق کی مانند ارغوانی ورنگین شرابیں، اک کے مُنہ سے دوسرے کے مُنہ تک جاتی تھیں، باغ میں پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیوں سے خوشبوئیں نکلکر پھیل رہی تھیں، اور نوجوان عورتیں اپنے گدرائے ہوئے موزوں جسموں سے، اپنے نازک چھوٹے پاؤں سے، پھولوں اور ریشمی لباسوں سے سجی ہوئی، اپنے بالوں کو لہراتی ہوئیں، اپنی آہوانہ نظریں اِدھر اُدھر ڈال رہی تھیں۔ شراب، ہوا، پھول کی آمیزش سے اس رقص کا جوش ہر لمحہ بڑھتا جاتا تھا باغ کے باہر سے جو سڑک آرہی تھی۔ اس پر سے جوان اور بڈھے آدمی جن کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں جن کی آنکھیں المناک، جن کی نظریں نا اُمیدانہ۔ جن کے کندھے جھکے ہوئے [illegible] آکر بدل جاتے تھے۔ ان کے رنج وغم باغ کے باہر چھوٹ جاتے تھے۔

[illegible] باغ کے انگور کی سیاہ اور سبز اور سُرخ ڈالوں کی باڑھ کی اُس جانب [illegible] نے تعلّق، پرانی یادیں محو ہو جاتی تھیں۔ میں اس منظر پر نظر ڈالے دیکھ رہی تھی

کہ میرے کانوں میں وہی خشک آواز آئی اور اُس نے کہا :۔

"یہ میری جنّت فراموشی ہے" میں نے اندیشہ ناک نظروں سے اُسے دیکھا اور کہا "میں یہاں سے بھاگ جاؤں" اُس نے جواب دیا کہ "تم اگر بھاگ جاؤ تو دیکھو کیا ہوگا"

باغ کی طرف سے ایک سیاہ بالوں والی نوجوان لڑکی کے ساتھ ایک آدمی آرہا تھا۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور نگاہیں پریشان۔

نوجوان لڑکی اسے ہاتھ سے پکڑے کھینچے لا رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ آنے والا آدمی وہ تھا .... میرا شوہر! میں اُسکے پاس دوڑ کر جانا چاہتی تھی، مگر دو قوی ہاتھوں نے مجھکو پکڑ لیا، میں حرکت نہ کر سکی۔ وہ انگور کے خوشوں کو ہٹاتے ہوئے آرہے تھے...... وہ باغ کی حد میں داخل ہو گئے تھے..... وہ مصروفِ عیش انسانوں کے شور و شغب میں شریک ہو گئے...... میں نے اُسے پکارنا .... اپنے محبوب کو بُلانا چاہا۔ وہ اس حسین، غیر معمولی حسین لڑکی کے فسونکار اُنگلیوں سے پکڑے ہوئے، قدح شراب کو آخری قطرہ تک پی کر خالی کر رہا تھا۔ میں نے اُسے دیکھا۔ اُس نے پہلا گلاس ابھی ختم کیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ پھر بڑھا رہا تھا۔ نوجوان لڑکی سے ایک گلاس شراب اور مانگ رہا

اُس کی نظریں چاروں طرف پڑ رہی تھیں۔ مگر نظر میں کس قدر تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔
اب اُس کی آنکھوں میں میں جاگزیں نہ تھی۔ میرا محبوب تالی بجا بجا کر اب رقص کی
داد دے رہا ہے، میرا محبوب چمن پر پاؤں پھیلائے لیٹا ہے۔ اس بھلا دینے
والی شراب کو پیے چلا جا رہا ہے۔ وہ جو میری آنکھوں سے عشق کی شراب
کو پیے چلا جا رہا ہے۔ وہ جو میری آنکھوں سے عشق کی شراب پیا کرتا تھا!

میرے ہاتھ اس لباس والے اجنبی کے ہاتھ میں قید ہیں۔ آواز نکالنے کی
مجھ میں قوت نہیں، اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ میرے محبوب کے
دل سے میرا خیال کس طرح غائب ہو گیا ہے۔

نوجوان لڑکی جس نے اپنے گھنگریالے بالوں کو سرخ پھولوں سے سجا رکھا ہے
اسے پے در پے ارغوانی شراب کے پیالے دے رہی ہے، اور ناچ جاری ہے۔
- پھولوں کی خوشبوئیں منتشر ہو رہی ہیں...... جوش و خروش زیادتی پر
ہے، میرے محبوب کی مخمور آنکھیں ناچ پر گڑی ہوئی ہیں۔ لیکن اُس نے خالی پیالہ
[illegible]وان لڑکی کی طرف پھر بڑھایا۔

اب کیا ہو رہا ہے، کیوں نوجوان عورت ایک ایسا قہقہہ مار رہی ہے
[illegible] کہ نشہ سے انسان کا سر چکر کھا جائے، کیوں وہ بلّوری جام کو صحنِ چمن پر

پھینک کر توڑ رہی ہے، کیوں میرا محبوب اس کی منّتیں کر رہا ہے۔

نوجوان عورت ہنسے جاتی ہے اور میرا محبوب شرابِ نسیاں کا ایک پیالہ اور مانگ رہا ہے اور وہ ہنس رہی ہے اور اُسے نہیں دیتی۔

گھنگریالے بالوں والی، موتیوں جیسے چمکدار دانتوں والی لڑکی اسے شراب دینے سے انکار کر رہی ہے، اور میرا مرد شراب کا ایک اور پیالہ لینے کے لئے، اس پر ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہے......... اُف، ہمارے تمام تعلقات ہماری تمام یادِ ایام، سب اس پر نثار کرنے کو ہے۔ مجھے بالکل بھول چکا ہے......

اس کے ہاتھ میں سیپ کی ایک ڈبیہ ہے اور میرے جتنے جواہرات ہیں۔ وہ اس کے پاؤں کے حِنائی ناخنوں، پاؤں کی نازک اُنگلیوں پر نچھاور کر رہا ہے۔

میرے موتی زمین پر بکھرے پڑے ہیں، وہ موتی جنھیں جب میں گلے میں ڈالتی تھی، وہ اُنھیں شوق و محبّت سے ہاتھ میں لیتا تھا۔ وہ آنکھوں کے آنسوؤں کی طرح زمین پر ڈھلک رہے ہیں، میرے یاقوت، میرے ہیرے، غرضکہ میری ہر ایک چیز اس عورت کے قدموں پر پڑی ہوئی ہے۔

میں سِسک سِسک کر رونے لگی۔ نوجوان عورت نے اپنے نازک پاؤں سے موتیوں کو ہٹا دیا اور اپنے ہاتھ بڑھائے۔ یکایک بان

چُپ ہو گئیں، ہوا رک گئی، ساز بجنا بند ہو گیا، قُلقُلِ مینا، قہقہہ، ریشمی ساڑیوں کی سرسراہٹ سب خاموش ہو گئے .... ناچ ٹھیر گیا...... اور اس گھنگریالے بالوں والی سانولی لڑکی کی آواز اس سکوت میں صاف سنائی دی :۔

"اگر شراب چاہتے ہو تو اپنا دل دو"

میرا محبوب دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر لے گیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے، اور مجھے معلوم ہوا کہ میرے قلب میں سے کوئی چیز اکھاڑی جا رہی ہے۔ میرے محبوب نے پریشان آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس پر مُردنی چھائی ہوئی تھی، وہ اپنے دل کو، اُس دل کو جو میرے تمام رگ و ریشے میں سرایت کئے ہوئے تھا اس ہنستی کھیلتی لڑکی کو دے رہا تھا۔ اس دل کو ایک جام شراب کے عوض میں دے رہا تھا...... اُف وہ چیز کو بھول چکا تھا۔

....

میرے کانوں میں وہ ہی خشک آواز آئی جو مجھے حقیقت کی طرف لوٹا رہی تھی [illegible]م نقشہ میری آنکھوں سے ہٹ گیا۔ وہ اجنبی کہہ رہا تھا کہ "یہاں سے گئیں تو [illegible]گا کہ یہ دل جو تم کو دیا گیا تھا وہ دوسروں کو دیا جائیگا"

(۴۳)

سفید لباس والی عورت کی آواز میں اب ایک وحشیانہ غصہ تھا۔

(۴۴)

الغرض اب میں انسان نہ تھی، میں ایک مضطرب حیوان تھی۔ اپنے محبوب کے قلب کو، اُس کے عشق کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھنا کیسا الم انگیز عذاب ہے۔ اس کو میں نے چند منٹ کی زندگی میں دیکھ لیا اور معلوم کر لیا تھا، اب میں سر تا پا رشک تھی، جس محبوب کے دل پر اب تک میں اپنا قبضہ سمجھ رہی تھی۔ اور جس کو ہاتھ سے کھو بیٹھنے کا کبھی گمان بھی نہ کرتی تھی، اب اُس کی طرف سے میں اتنی بدگمان تھی۔

اب میری تمام بدگمانی، تمام رشک، اس عشق کے متعلق تھا۔ اب میں دیوانی تھی۔ کیونکہ ہمیشہ میری آرزو رہی تھی کہ محبوب میرا ہو کر رہے۔

اس پُر فسوں اور ملعون مقام سے، جہاں رقص تھا، شراب تھی، موسیقی تھی، اس سیاہ لباس والے آدمی کے بازو مجھے دور کر رہے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

اُس نے جواب میں کہا: "وہاں جہاں تو اپنی جوانی، اپنا حسن اپنا جادو کھو بیٹھے گی!"

میں اُس کے ہاتھوں سے چھٹکارا پاکر بھاگنا چاہتی تھی۔ صرف یہی چاہتی تھی......
ہم جس راستہ پر جارہے تھے۔ وہ تاریک تھا...... ہمارے سر پر چمگادڑیں، اُلّو اڑرہے تھے۔

پتھروں کے درمیان جن پر کائیاں جمی ہوئی تھیں اور بدبو دار پانی جن میں بہہ رہا تھا۔ مگرمچھ پڑے ہوئے تھے خشکی پر سانپ پھنکاریں مار رہے تھے، لکڑ بگھے دوڑ رہے تھے۔ بھیڑیوں کے غول پھر رہے تھے۔

(۴۵)

ہوا شدّت سے سوکھے پتّوں کو اُڑا رہی ہے۔ پتے اس کے وحشی ہاتھوں میں پھڑپھڑا رہے ہیں۔ پانی کا برسنا بند نہیں ہوا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے۔

(۴۶)

۔ میں اُس کے ہاتھوں سے چھٹکارا پاکر بھاگنا، اپنے محبوب کی آغوش میں گرکر، رو رو کر جان دینا چاہ رہی تھی۔ میرے دل میں اس آرزو نے وہ قوّت حاصل کی [illegible] اس کے مضبوط ہاتھوں میں جس وقت پھنسی ہوئی اس غار میں گھسٹتی جارہی تھی۔ [illegible] ایک غیر معمولی جرأت پیدا ہوئی۔ اور حقیقت میں یہ ایک معجزہ تھا کہ میں نے [illegible] کے آہنی پنجوں سے اپنے تئیں چھڑا لیا۔ اب میں وہ عورت تھی جو اپنے

عشق کی مدافعت کے لئے جا رہی ہو۔ مجھ میں جنات کی قوت آگئی تھی، اس تاریک خاردار سانپوں اور موذی کیڑوں سے بھرے ہوئے راستہ پر میں بھاگتی ہوئی گذری۔

میں نے پتھروں پر سے، کیچڑ میں سے، خوف و خطر میں سے اپنا راستہ نکالا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کدھر جا رہی ہوں۔ صرف اُس سے چھٹکارا پانا چاہ رہی تھی۔ میرا چھٹکارا پانا ضروری تھا کیونکہ میں اپنے محبوب کو چاہ رہی تھی۔ اُس کے عشق کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتی تھی۔ میں دیوانہ وار دوڑی......

میں اُس راستہ سے گذری جہاں ہانسی سے کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ سیاہ کتے میرے پیچھے دوڑے۔ سانپ اور اژدھوں نے مجھے گھیرا، خوفناک دیو، وحشی حیوان، دہشت انگیز بھوت پریت مجھے ملے میں اس راہ پر سے گذری جو گناہ کی طرح سیاہ تھا۔ میں اس مقام کے قریب سے گذری جہاں۔ ہڈیوں کا ڈھانچ ہاتھوں میں ہانسی لئے گملوں کے پودوں کو، پھولوں کو کاٹ رہا تھا۔

میں نے ڈر ڈر کر اپنی نگاہ اس پر ڈالی۔ میری خوشی، میرے عشق کے گملے پھول ابھی تک لگے ہوئے تھے۔ ہانسی ان کے قریب چل رہی تھی۔ مگر ابتک نہیں پڑی تھی۔

کیا اب وہ میری آنکھوں کے سامنے ہی کاٹے جائیں گے؟......

اُف یہ نہ ہونا چاہیئے.........

میں نہ جانتی تھی کہ کیا کروں۔ مگر میں بھاگتی رہی۔ میں اپنے مرد کے پاس جاؤنگی اور اللہ سے التجا کروں گی اُس سے گڑگڑا کر دعا مانگوں گی۔......اُف میں بدشکل اور بڈھی نہ کی جاؤں میں ہمیشہ ایسی خوبصورت رہوں کہ وہ مجھ سے خوش رہے

(۴۷)

سفید لباس والی عورت کی آواز اب بھرائی ہوئی ہے۔

(۴۸)

میں پریشان تھی۔ میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ باہر نکلنے کے لے چٹانوں کو پکڑ کر چڑھنا لازم تھا۔ میں خوفناک گڑھے میں تھی......۔ اُف میرے پیچھے کوئی آرہا ہے، پتھروں کے اوپر سے کسی کے پاؤں کی آواز آرہی ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں بیتاب و ناتواں ہو کر کانپ رہے ہیں۔ مجھے کہیں سے مدد نہیں مل رہی ہے۔ یکایک مجھے آواز سنائی دی:۔

"جاؤ۔ اب تم باہر جا سکتی ہو۔ کیونکہ اس ملعون خندق میں سے تم گزر چکی ہو۔ اور بیماری کے سانپوں نے تمھیں ڈس لیا ہے اور ان کا زہر تم میں داخل

ہو چکا ہے .... جلد بہت جلد تم گناہ کی طرح، لعنت کی طرح، بیماری کی طرح کریہہ المنظر ہو جاؤ گی ...... جاؤ! اوپر جاؤ ..... اب تمہارا شوہر تمہیں نہ چاہے گا"

(۴۹)

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے تئیں وہاں پایا جہاں کچھ گھنٹے مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا، چند صدیاں پہلے بلّی کی آتشیں آنکھوں کے پیچھے میں نے چلنا شروع کیا تھا۔

تاریک رات مجھے احاطہ کئے ہوئے تھی، میرا سر جل رہا تھا۔ مجھے ہر ایک بات یاد آگئی۔ خوف سے میں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ کیا بیماری کا زہر حقیقتاً مجھ میں سرایت کر گیا تھا؟ کیا میں اب بیمار اور بدشکل ہو جاؤنگی؟ یہ خوف مجھے مارے ڈالتا تھا۔ اگر اب میں اس سے بھاگوں تو مجھے بھول جائے گا۔ اگر اس کے پاس رہوں تو کراہت کرے گا۔

گرم زمین پر بیٹھی ہوئی میں رو رہی تھی کہ رات کی تاریکی میں مجھے ایک آواز سُ[illegible] دی جو کہہ رہی تھی:-

"نوجوان عورت، میں تیرے الم سے واقف ہوں۔ مت رو۔ اگ[illegible]

اُس کے پاس جا۔ اب بھی وقت ہے۔ ابھی بیماری نے تجھ پر تسلّط نہیں کیا۔ ابھی بدشکلی نے تیرے بال، تیرے دانت، تیری پلکیں نہیں گرائیں۔ تو ابھی حسین ہے۔ بھاگ۔ بھاگ اُس کے پاس جا۔ اور اگر تو اس کے دل کی ہمیشہ کے لئے مالک ہونا چاہتی ہے تو اُس کے سینہ کو چیر کر اُس کا دل نکال لے۔ اور اُس کا دل اپنے سینہ پر رکھ لے تاکہ وہ اپنا دل کسی کو نہ دے سکے۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ میرے سامنے وہ ہی بڑھیا کھڑی تھی جس نے مجھے شیطان کا قصہ سُنایا تھا۔

کیا وہ مجھے بہکا رہی تھی...... آج اُس کی آواز میں نرماہٹ تھی۔

"جب اُس کا دل تیرے پاس ہوگا۔ تو تجھے کیا پرواہ ہے۔ تب بدشکلی بھی تیرے لئے کوئی چیز نہ ہوگی۔"

ہاں سچ کہہ رہی ہے۔ مجھے چاہنے کے بعد........

بڑھیا نے کہا:۔ "ہانسی چل رہی ہے۔ کیا ہانسی کی آواز تم تک نہیں آتی۔" ہاں ہانسی کی آواز مجھ تک آ رہی تھی۔ اور میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

"بھاگ نوجوان عورت! بھاگ۔ اس کے دل کو اس کا سینہ چیر کر نکال لے، [illegible] کا د[illegible] لے آ۔ تاکہ ہم دنیا پر ثابت کر دیں کہ عشق رقابت پر غالب آیا۔"

اس آواز کے زیر اثر ہو کر میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاں بڈھی عورت سچ کہتی ہے۔

(۵۰)

میں کانپ رہا ہوں۔

(۵۱)

وہ کمرے میں چھپر کھٹ پر سو رہا تھا۔ اُس کے سُنہرے بال بکھرے ہوئے تھے
آنکھیں بند تھیں۔ اُس کا چوڑا جسم کہانیوں کے سوتے ہوئے سورماؤں سے مشابہ
تھا۔ میں نے دروازہ کے پردوں کو اپنے ہاتھوں سے ہٹا کر اُسے دیکھا۔ میرا دل
برائی سے بھرا ہوا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُف اب مجھے نہ چاہے گا۔ اگر میں اس کے آس پاس
رہی تو مجھ سے نفرت کریگا۔ وہ دِل جو صرف میرا تھا، جو میرا ہونا چاہیے تھا۔ مجھ سے
چھین ایک دوسری عورت کو دیدیگا۔

بڈھی عورت کا کہنا ٹھیک تھا۔ وہ دل میرا ہونا چاہیے۔

اے نوجوان میں جھپٹی۔ لمپ جس پر سُرخ کپڑے کی جھالر پڑی ہوئی تھی سُرخ روشنی
ڈال رہا تھا۔ میرے چہرہ میں خون نہ تھا۔ میں اُس کی طرف جھپٹی۔ میرے ہاتھ اُس کے
سینہ پر تھے۔

میں نے اُس کے سینہ پر سے چادر کو ہٹا کر پھینک دیا۔ اس کے

اُس کے چہرہ کی باریک سے باریک خط کی علیحدہ علیحدہ پرستش کی۔ اور پھر..... اپنے ناخنوں کو اُس کے سینہ کے اندر گھُسا کر پارہ پارہ کر دیا۔

اُس کا دل، وہ دل جو اب تک میرے لئے دھڑک رہا تھا۔ اب میرے ہاتھ میں تھا، میں اُسے اُس کی جگہ سے باہر نکال لائی۔ پھر کیا ہوا اور کیسے ہوا، میں نہیں کہہ سکتی۔ مگر پاس ہی سے میرے کانوں کے پردے پر ایک ہانسی کی آواز آئی جو کسی چیز کو کاٹ کر پھینک رہی تھی۔

۵۲

سفید لباس والی عورت کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ اُس کی آواز سے ایک دھواں سا نکل رہا ہے۔

۵۳

میں نے اپنا سر گھبرا کر پیچھے پھیرا۔ کمرہ کی نیم تاریکی میں اپنی تمام بدشکلی کے ساتھ دانت نکالے ہوئے ہنستا ہوا ایک چہرہ مجھے نظر آیا۔ یہ اُسی بڑھیا عورت کا چہرہ تھا۔ اس کے قہقہہ اور اس کی نظر نے مجھے وہاں اس طرح بے حرکت کر دیا۔ گویا میرے پاؤں میں میخ جڑ دی گئی ہے۔ میرے ہاتھوں میں اُس کا دل، میرے محبوب کا دل [illegible]۔ میری اندیشہ ناک نظریں آہستہ آہستہ میرے شوہر کے چہرہ پر پھر پڑیں۔

وہ سو رہا تھا، آنکھیں بند تھیں اور چہرہ پر ایک سکون تھا۔

بوڑھی عورت نے کہا:۔"تم نے ہالنی کی آواز سنی؟"

میں نے سر ہلا کر تصدیق کی۔ مگر میری نظریں میرے شوہر کے چہرہ پر تھیں۔

بڑھیا نے کہا:۔"ہالنی نے تمہاری خوشی کو کاٹ دیا" میری نظر اپنے شوہر کے جسم پر پھر رہی تھی۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔

بڑھیا نے پھر کہا "کیا تم سمجھی نہیں؟ نوجوان عورت! تمہاری خوشی محو ہو گئی، تم نے اپنی خوشی کو اپنے ہاتھوں فنا کر دیا۔"

میں اپنے مرد کو دیکھ رہی تھی۔ میرا مرد سو رہا تھا۔ نہیں۔ نہیں اے نوجوان! سو نہیں رہا تھا۔ اُسے کیا ہو گیا تھا، اُس کا چہرہ اس قدر کیوں زرد تھا؟ اُس کی آنکھیں کیوں اس قدر گڈھے میں چلی گئی تھیں۔ میں نے اپنے ہاتھ اُس کے ہاتھوں پر پھیرے ...... اُس کے ہاتھ کیوں اسقدر ٹھنڈے تھے۔

میں نے سوال آمیز نظروں سے اوپر کی طرف دیکھا۔ میں خوف سے کانپ رہی تھی۔ بڑھیا عورت جس کے گال گڈھوں میں تھے جس کے دانت نہ تھے۔ جس کی ہنسی ایک مُردے کی ہنسی کی طرح تھی میرے سامنے سے غائب ہو چکی تھی۔ اور اب میرے مقابلہ پر اپنے سیاہ لباس میں وہی دراز قد اور خشک [illegible]ت

آدمی کھڑا تھا وہ ہی ملعون اجنبی۔

اُس کے ہاتھ اُس کے سینہ پر تھے، اُس کی خشک پیشانی اور بھوؤں کے نیچے، سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔

دہشت انگیز آواز سے اُس نے کہا "اے ناتجربہ کار عورت! جو میری قوّت اور اقتدار پر یقین نہیں کرتی تھی میں ابلیس کا دوست ہوں۔ میں شیطان کا مددگار ہوں، میں عشق کو ہر طریقہ سے محو کرتا ہوں۔ ہاں سمجھتی ہو، میں عشق کو عشق کے ہی ہاتھوں سے محو کرتا ہوں"

میں کانپ کانپ کر اُسے دیکھ رہی تھی۔

میں ڈر ڈر کر اُسے دیکھ رہی تھی۔

"نوجوان عورت! تیرے ہاتھ میں جو دل ہے، وہ اب مردہ ہے۔ تیرے سامنے جو آدمی لیٹا ہے، تیرا محبوب اب مردہ ہے۔ ہر وہ شخص جو پیدا کرنے کی قوّت نہ رکھتا ہو، اور جاندار کی جان لے، گناہگار اور ملعون ہے۔ جو دل اس وقت تیرے ہاتھ میں ہے اور جسے تو نے ایسے شوق سے نکال کے ہاتھ میں لیا ہے، یہ دل، مردہ دل ہے۔ تیرے سامنے جو یہ شاندار، خوبصورت آدمی لیٹا ہوا ہے، اب بے جان ہے۔

(۵۴)

سفید لباس والی عورت، اپنے ہاتھ اپنے بازو پر اس طرح مَل رہی ہے گویا اسے سردی معلوم ہوتی ہے۔

(۵۵)

دُنیا کے تمام اضطرابات، تمام دہشتیں جمع ہو کر ایک آواز کی شکل اختیار کر لیں، تو بھی وہ اُس چیخ کی طرح جو میرے منہ سے نکلی درد آمیز و تلخ نہ ہونگی۔

مجھے یقین ہے کہ اک لمحہ کے لئے تو نیچر کی ہر ایک چیز نے، آسمانوں نے، سمندروں نے، ستاروں نے، بادلوں نے میری فریاد سُنی، اور اُس کے اضطراب و ہیبت ناک عظمت کی عزت کی۔

اب میں کچھ سوچ نہ سکتی تھی، اُس جانور کی مانند جو زندہ آگ میں ڈال دیا گیا ہو، میں چلّا رہی تھی، تڑپ رہی تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کروں یا مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

وہ مر چکا تھا، موت نے اُسے مجھ سے، عشق سے زندگی سے جدا کر دیا تھا۔

میں اب کیا کر سکتی تھی، کیا چاہ سکتی تھی۔ میں نے خود اُسے مارا تھا۔ میں نے اُس کی جان لی تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے کھو دیا تھا۔

کمرے میں وہ اجنبی، ایک تاریک غیر مادّی جسم کی طرح اب بھی موجود تھا

اور باہر دور سے، پہاڑوں میں سے، ایک تھکے ہوئے مگر غضبناک مسافر کی طرح، جسے یہ خبر نہ ہو کہ کہاں سے آیا، اور کہاں جا رہا ہے ندی کی آواز میرے کانوں میں آرہی تھی میں اُس آواز کو سُن رہی تھی، وہ مجھے ڈانٹ کر، ڈپٹ کر اپنی طرف بلا رہی تھی۔

اُف! میں اُس کی زبان کو نہایت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

میری آنکھیں نمناک تھیں، میں اپنے شوہر کے مردہ جسم کو دیکھ رہی تھی لیکن رات کی کثیف تاریکی میں چل چل کر وہ آواز مجھ تک پہنچ رہی تھی۔

ندّی، مجھ سے کہہ رہی تھی "آؤ! اے غمزدہ جوان عورت! آؤ، دیکھو میں کس قدر تاریک اور خوفناک ہوں۔ میں اپنے غُصیلے بازوؤں میں تجھے عدم تک پہنچا دونگی۔ میری موجوں کی آواز، تمام اضطرابوں کو سُلا دیتی ہے۔ اے جوان مصروفِ ماتم عورت آؤ۔ میری آغوش میں آؤ۔ وہاں تم موت سے ملاقات کر سکو گی؟ موت کی تاریکی میں پھر اس سے مل سکو نگی، ہمیشہ ہمیشہ اُس سے مِل سکو نگی۔

میں نے اُس کا سر دبیجان دل، اپنے سینے پر رکھا۔ اور میں ندی کی آواز کی طرف جو مجھے بہیم بُلا رہی تھی۔ دوڑی۔ وہ سیاہ غیر مادّی جسم میرے پیچھے پیچھے تھا۔ اُف موت جس وقت چاہی جاتی ہے، تو کتنی دیر میں آتی ہے۔

(۵۶)

سفید لباس والی عورت، تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جاتی ہے پھر نیم بیہوشانہ طریقہ سے کہتی ہے:۔

(۵۷)

الغرض اے نوجوان، اُس سے جا ملنے کے لئے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے پاس ہونے کی غرض سے، میں نے اپنے تئیں اُس تیز بہنے والی، کفدار ندی کی آغوش میں ڈال دیا۔ جس وقت میں نے اپنے کو ندی میں ڈالا، تاریک رات اپنی زندگی ختم کرنے کو تھی، لاجورد، آسمان میں غائب ہو جانے والے ستارے، اداسی کے ساتھ مجھے دیکھ رہے تھے۔ تمام رات پانی برسا تھا۔ میدان میں تازہ کھلے ہوئے پھولوں کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ جس وقت ندی اپنے آپ، مگر قوت میں آہنی بازوؤں سے میرے تمام جسم کو احاطہ کر کے میری جان نکال رہی تھی، میدان سے اُس ملعون اجنبی کی آواز میرے کان میں آ رہی تھی:۔

"جا، اور ساکنانِ عدم کو بتا کہ اس دُنیا، اس کہنہ وملعون دنیا میں ابتک بدی کا نیکی پر، کینہ کا عشق پر غلبہ ہے۔ دُنیا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، ابن آدم پر اب بھی وہی پھٹکار ہے۔ جس طرح آسمان سے راندے گئے تھے۔ اب

راندے ہوئے ہیں۔ اولادِ آدم، جس طرح جنت میں تھی، اب بھی اُسی طرح بازیچۂ شیطان بنی ہوئی ہے۔ اس کے سوا نہ کچھ ہیں، نہ ہونگے۔ دُنیا میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی، نہ ہوگی"۔

میں ڈوب رہی تھی، مگر اُس کی آواز برابر مجھ تک پہنچ رہی تھی:-

"دنیا میں ہمیشہ، بدی، نیکی پر، کینہ، عشق پر غالب رہیگا"۔ اور مجھے ڈوبتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درختوں میں جو ہوا، سائیں سائیں کر رہی ہے، وہ بھی یہی کہہ رہی ہے:-

دُنیا میں ہمیشہ بدی، نیکی پر، کینہ، عشق پر غالب رہیگا۔

پہاڑوں سے بھی، یہی گونج ٹکرا ٹکرا کر آرہی تھی۔

(۵۸)

سفید لباس والی عورت، اب اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی، اور میرے قریب آگئی:-

(۵۹)

مگر نوجوان آدمی! موت میرے لئے نسیاں، میرے لئے عدم نہوئی۔ اُمید کے خلاف موت نے نہ مجھے محبوب تک پہنچایا، نہ عدم تک۔ پانی کی

آغوش میں، میں اپنے جسم سے تو علیحدہ ہوگئی۔ مگر موت کے شفق میں، ایک غیر مرئی خودی کے ساتھ میں نے اپنے ادراک، یعنی اپنے گناہ، واضطراب ومجازات کو موجود پایا۔ اک لمحہ کی غفلت، وہ جو عدم کی جنت کہی جاتی ہے، یعنی بے ادراکی وبے خبری وہ میرے نصیب میں نہ تھی۔ ادراک وحس تا ابد مجھ میں موجود رہیگا۔ ہمیشہ گناہگار ومضطرب رہونگی۔

جہنم، دوسرونکو جلا جلا کے، گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ مگر میں اپنے سینے پر اُس کا بیجان قلب رکھے ہوئے تا ابد فضا میں یونہی پھرتی رہونگی، بغیر اس کے کہ ایک ثانیہ کا سکوت، ایک سیکنڈ کا سکون، ایک لمحہ کا نسیان مجھے نصیب ہو نیں ہمیشہ یونہی روتی فریاد کرتی رہونگی۔ میں اُن گناہگار عورتوں میں سے ہوں جنھوں نے شیطان کی بات پر یقین کیا۔ مجھے جہنم بھی آگ میں ڈالکر پاک کرنے سے انکار کرتی ہے۔ میرا حشر اُن گنہگاروں، قاتلوں کے ساتھ ہوگا جن کے لئے موت میں بھی راحت نہیں۔ میں اُن کی ہم جلیس ہوں۔

(۶۰)

"حسینہ کیا تجھے رہائی دینی ممکن نہیں؟"

میرے اس سوال پر اُس نے سامنے کو دیکھا اور کہا:۔

نہیں ممکن نہیں، کیونکہ اللہ مجھے صرف اُس وقت معاف کریگا۔ جب میں اُس کے بیجان جسم میں جان وحرارت ڈال سکوں، صرف اُس وقت جبکہ میں اُس کے سینے کی خالی جگہہ میں حرکت کرتا ہوا، زندہ وگرم دل رکھ سکوں۔ صرف اُس وقت۔

وہ میرے قریب اور آتی ہے۔ الٰہی، کس قدر حسین ہے۔ اس کی آنکھونکی جاذبیت، اُس کی نظر کی کشش مجھ پر جادو کر رہی ہے۔ میرا دل دھڑک رہا ہے۔ اُس کے بال روشن ہیں۔ میرے دل میں شعلہ بھڑک رہا ہے۔

"حسینہ، کیا کرنا چاہیئے کہ تجھے موجودہ حالت سے چھٹکارا حاصل ہو؟"

میں اُسکی آنکھوں کو دیکھتا ہوں، اور اُس کے چہرے کے ایک ایک خط کی دلکشی سے لطف اٹھاتا ہوں۔ اُف اُس میں کس بلا کا حسُن ہے۔ میں اس نوجوان عورت اُس مُردے کا مرہونِ منت ہوں، جس نے اپنے نادر حسُن کے ساتھ میرے سامنے آکر، مجھے اک بے پایاں مگر غمگین لطف سے بہرہ اندوز کیا۔

"حسینہ، تجھے سکوت، تجھے زندگی ملنے کیلئے، اک قلب کی ضرورت ہی تجھے یاد ہے اگست کا گرم مہینہ تھا، میں نے تیرے محبوب کے مزار پر کھڑے ہو کر، تجھے دل دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

وہ میری طرف دیکھتی ہے۔

"حسینہ تو خوبصورت ہے، تو اک تازہ مزار کی طرح جو تمام حشمتِ عدم کا تجلی زار ہو، دلکش و حزیں ہے۔ میں تیرا ممنون ہوں، تیری خوبصورتی نے میرے دل میں وہ کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جس سے میں ابتک ناواقف تھا۔ میں اس کیف کو لئے ہوئے، قبل اس کے کہ یہ کیف ختم ہو، ختم ہونا چاہتا ہوں۔ حسینہ میرا دل اُسے دیدے"۔

سفید لباس والی عورت، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے اُس مُردے کے چھونے سے مجھ پر کیسا شیریں رعشہ پیدا ہو گیا۔ اُس نے کہا: "اگر یہ بات ہے تو آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ آؤ اُس کے مزار تک چلیں۔ وہاں تم اپنا دل مجھے دینا، مگر مزار تک میرے ساتھ چلو"۔

اور میرا ہاتھ پکڑ کر، تاکِ انگور کی چھت کے نیچے سے مجھے لیجاتی ہے۔

(۶۱)

بارش سے میرے کپڑے بھیگ گئے ہیں، اور میرے بدن سے چمٹ گئے ہیں۔ بجلی آسمان پر آتشیں اژدہاؤں کی طرح بل کھا رہی ہے۔ ہوا شدت سے چل رہی ہے درختوں کو زمیں تک جھکا دیتی ہے۔ پتے اور ڈالیاں زور سے ہل رہے ہیں۔

ہم گرج اور طوفان کے شور میں جا رہے ہیں، جا رہے ہیں۔ میں اور وہ۔ وہ آگے آگے ہے اور میں پیچھے۔

(۶۲)

میرے ہاتھ، مٹی کو مٹھیاں بھر بھر کے پھینک رہے ہیں۔ وہ بھی گھٹنے ٹیکے زمین کھود رہی ہے۔ ہم دونوں مشغول ہیں۔ قبر آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی ہے۔ قبرستان کے سرو ہوا سے ہل رہے ہیں۔ بارش کے قطرے قبروں پر پڑ رہے ہیں۔ قطروں کے پڑنے سے اک یکساں آواز پیدا ہو رہی ہے۔ ہم کھودنے میں مشغول ہیں۔ قبروں سے مُردے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے کام کی سیر کر رہے ہیں۔ بجلی کوند رہی ہے۔ افق میں کچھ ستارے، ہٹے ہوئے بادلوں سے چمک رہے ہیں۔ ہوا وحشیانہ شدّت سے چل رہی ہے۔ ہم باتیں نہیں کرتے، خاموشی سے کام کر رہے ہیں۔ ہم قبر کھول کر رہینگے۔

میرے بھیگے ہوئے کپڑے میرے جسم سے چمٹ رہے ہیں۔ میں بخار سے پھنک رہا ہوں۔ بخار کی گرمی، کپڑوں کی سردی مجھے منجمد کئے دیتی ہے۔ میرے جسم میں لرزہ ہے۔

خوبصورت حسینہ، کے بال، تاریکی میں روشن تھے میں اُن کی خوبصورتی

اور چمک سے لحظہ بہ لحظہ اپنے میں زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں، قوت اور خوشی۔
میں خوش ہوں اس لئے کہ میں عدم کی حسین تر عورت پر فدا ہو رہا ہوں اور میں اُس لطف کا تصوّر کر رہا ہوں جو مجھے اُس وقت حاصل ہوگا جب کہ وہ میرا دل اپنے ہاتھ میں لے گی۔ میں بے صبر ہوں کہ یہ لطف جس قدر جلد ممکن ہو مجھے ملے۔ میں دیوانہ وار مٹھیاں بھر بھر کے مٹی پھینک رہا ہوں۔ قبر اب کھلنے کے قریب ہے۔
اسی قبر پر کھڑے ہو کر میں نے اک دن وعدہ کیا تھا کہ میں اپنا دل اس عورت کو نذر کرونگا۔ اب وہ وقت آگیا، اب پیش کرونگا۔
رات ایک غضبناک سیاہ اژدہے کی طرح سے مشابہ ہو رہی ہے اور ہم قبر کھودنے میں مشغول ہیں۔

(۶۳)

سرو کے درختوں کے سائے میں حسینہ کی جاں خراش و مضطرب آواز سنائی دی۔
قبر کھل گئی تھی، جہاں محبوب کے بجائے کچھ ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بجلی چمکی، تو کھوپڑی کی آنکھوں کے گڈھوں میں کچھ نیلاہٹ لئے ہوئے روشنی معلوم ہوئی۔
حسینہ جو اپنے محبوب کو زندگی بخشنے والا قلب دینا چاہتی تھی، اپنے نازک

ہاتھوں سے ہڈیوں میں اِدھر اُدھر ڈھونڈھ رہی ہے کہ ہڈیوں کے سوا، اپنے محبوب کے جسم کا کوئی حصہ ملے۔ مگر موت اور وقت اپنا کام پورا کر چکے ہیں۔

ہوا، درخت، بارش، ملکر شکایت بھری آواز سے کہہ رہے ہیں:۔

"دنیا میں ہمیشہ، ہر وقت، بُرائی نیکی پر، کینہ عشق پر غالب آئیگا۔

قبروں سے آہیں نکلتی معلوم ہوتی ہیں، مُردے گریاں و نالاں ہیں:۔

ہم اُس بیچارے کی نسل میں سے ہیں۔ جو جنّت سے لعنت کیساتھ نکالا گیا۔ اُس پہلے گناہ کی سزا ہمیشہ بھگتیں گے۔ ہم کبھی موردِ عفو نہیں ہونگے۔ بازیچہ ابلیس رہے ہیں اور رہینگے۔ اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ بُرائی کا نیکی پر، کینے کا عشق پر غلبہ رہیگا۔

سرو کے درختوں کے نیچے اک گھٹی ہوئی چیخ کی آواز سُنائی دی۔ حسینہ، جواب فراموشی و سکون پانے سے نا اُمید ہو چکی ہے اپنے محبوب کی ہڈیوں کے سامنے ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔ سرو کے درختوں کے اوپر اُلّو اڑ رہے ہیں۔ درخت آہیں بھر رہے ہیں۔ ہوا، پانی آہیں بھر رہے ہیں۔

الٰہی! الٰہی! تیری قدرت کسقدر عظیم الشان، اور با جبروت و برتر از فہم ہے۔ قبر موجود ہے، مگر معشوق، محبوب کہاں ہے؟ اضطراب موجود ہے کے عفو کہاں ہے۔ مردے نالہ و فریاد کر رہے ہیں:۔

"اضطراب، عذاب؟ آفات؟ اے ارحم الراحمین، عفو کہاں ہے؟"
مضطرب آسمان میں مضطرب بجلی چمک رہی ہے، اور رات فریادوں اور آہوں سے مملو ہے۔

سفید لباس والی عورت اپنی آنکھیں۔ جن میں آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں، اٹھا کر، اپنا سنگِ مرمر کی طرح سفید چہرہ میری طرف کر کے مجھے دیکھتی ہے۔ اور کہتی ہے:۔

"آؤ چلیں"

یہ کہہ کے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتی ہے، میں اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہوں۔ ہم قبر کے پاس کھڑے ہیں۔ بھیگے ہوئے کپڑے میرے جسم سے لپٹے ہوئے ہیں۔ میں کانپ رہا ہوں۔ اب ہم اُس غضبناک آسمان کے نیچے جو ہم پر لعنت برسا رہا ہے جا رہے ہیں، ہم جس راستے سے آئے اُسی راستے سے لوٹتے ہیں۔

(۶۴)

ہم باغ سے صحن میں، صحن سے زینہ پر چڑھے، میں کیا چاہتا ہوں، خود مجھے معلوم نہیں، میں صرف اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں ہم لکھنے پڑھنے کے

کمرے کے سامنے جا کر ٹھہر جاتے ہیں۔ وہ کواڑ کا دستہ گھماتی ہے۔ بتّی جسے
میں جلتا چھوڑ گیا تھا، ابتک جل رہی ہے۔ وہ میرے سامنے ہانپتی ہوئی کھڑی
ہے۔ اور رِجا آمیز آواز سے کہہ رہی ہے" اے نوجوان! آؤ (مجھے میز کے پاس
لے جاتی ہے) کاغذ لو جو میں نے تم سے کہا ہے، جو کچھ سنایا ہے سب لکھو۔ اور
پھر یہ نوشتۂ حسرت، سب لوگوں کو سناؤ۔ اور اُن سے، اُن سے جو میری
سرگزشت سے متاثر ہوں، التماس کرو کہ ایک مضطرب و بیقرار روح کے قرار
و آرام کے لئے دعا کریں۔ اسے نہ بھولنا اور تم بھی میرے لئے دُعا کرنا۔ تم بھی
دعا کرنا۔ کہ حسینہ کو قرار و آرام نصیب ہو۔ میں ہر شخص سے اسی کی طلبگار رہوں۔ یہی
آرزو رکھتی ہوں، مجھے اسی کی حاجت ہے مجھے اسی کی سخت ضرورت ہے۔
اب ہر اُمید منقطع ہو گئی، ہر چیز محو ہو گئی۔ جو جسم مردہ ہو چکا ہو، اُسے دل اور سانس
کیا پھر دیا جا سکتا ہے؟ تم میری سرگزشت لکھنا، اور ہر شخص کو سُنانا اور اُن سے
درخواست کرنا کہ ایک عورت تم سے دعائے خیر کی طلبگار ہے۔ اُس کی روح
کو مغفرت اور استراحت کی ضرورت ہے۔

میری دعا تو آسمان تک نہیں پہنچتی۔ میری آواز آسمان سے نہیں گزر سکتی۔
اے نوجوان تو میرے لئے دُعا کر، میری نجات کے لئے، جب تک مجھے نجات

حاصل ہو، دعا کر۔ خدا نے بھیجی، عدمِ مطلق کی جو جنّت پیدا کر رکھی ہے، اور اُس میں جو ابدی راحت و سکونِ مطلق ہے۔ مجھے اُس کی ضرورت ہے۔

(۶۵)

میں اُس کی خواہش کے مطابق، اُس کی پوری سرگذشت لکھ رہا ہوں۔ میرے سامنے کاغذ کا ڈھیر ہو گیا ہے، وہ میرے پیچھے کھڑی میرے کوٹ کا گریبان پکڑے میری تحریر کو دیکھ رہی ہے۔

(۶۶)

میں سرگذشت کا آخری فقرہ لکھ کے ختم کرتا ہوں، قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گر پڑتا ہے، نظر اُٹھا کر سفید لباس والی عورت کو دیکھتا ہوں۔ وہ میرے اور قریب ہو جاتی ہے۔ بتّی لرزتی ہوئی روشنی دے رہی ہے، بُجھنے کے قریب ہے۔ وہ عورت میرے بالکل قریب ہے۔ اسقدر قریب ہے کہ اُس کی برفانی ٹھنڈک مجھے ٹھٹھرا دیتی ہے۔

باہر، بارش کے قطرے کھڑکی پر گر کر آواز پیدا کر رہے ہیں۔ وہ عورت اپنے برف کی طرح ٹھنڈے ہاتھوں سے میرے کندھوں کو پکڑتی ہے۔ میرے جسم میں ٹھنڈک کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ میں اپنی نظریں اُس کی آنکھوں پر

گاڑ دیتا ہوں۔

میرے بیتاب ہاتھوں کی سفید آستین کو کھینچکر وہ کہتی ہے :۔

"شکریہ ادا کرتی ہوں"۔

اور پھر اپنا مردہ جسم، میری کرسی پر جھکا دیتی ہے۔ اُس کے برفانی ہونٹ میری پیشانی کو لگتے ہیں۔

اس کے بعد مجھے کسی چیز کا علم نہیں رہتا، میں بیہوش ہو جاتا ہوں ہوا سوراخوں میں سے، درازوں میں سے نکل نکل کے آوازیں پیدا کر رہی ہے۔ پرانے تختوں میں چرچراہٹ ہے، بارش کے قطرے کھڑکیوں کے شیشوں پر، باغ کی روش کی بجری پر پڑ رہے ہیں۔ نالیاں بہہ رہی ہیں پتے کھڑکھڑا رہے ہیں۔ مگر ان سب کی آوازیں میرے کانوں میں دھیمی پڑ جاتی ہیں۔ اور پھر محو ہو جاتی ہیں۔ صرف میرے دل میں ایک عجیب خوف آمیز بےحسی ہے، جو انسان پر عالمِ ادراک سے علٰحدہ ہوتے وقت طاری ہوتی ہے۔

(۶۷)

میرے سر میں درد ہے۔ بدن پھنک رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جہنم کے دروازے مجھ پر کھل گئے ہیں میں کراہ رہا ہوں۔

میرے کمرے میں کیوں آتشیں مخلوق پھر رہی ہے۔ مجھے اس آگ کے بستر سے اٹھاؤ۔ میرے جسم کو آگ میں نہ جلاؤ۔ میں جلنا نہیں چاہتا۔

میرا کندھا کیوں پکڑ رہے ہیں۔ یہ پکڑنے والے کون ہیں؟

"نہیں میں اک طرف نہیں لیٹونگا، میں نہیں لیٹ سکتا۔"

مجھے مار ڈالنا، میرا گلا گھونٹنا چاہتے ہیں۔ میرا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ یہ لمبی ڈاڑھی والا بونا، جو میرے سر میں آگ کی دہکتی میخیں ٹھونک رہا ہے، کون ہے؟ کیوں میری آنکھوں میں، دہکتے ہوئے لوہے بجھائے جا رہے ہیں۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟

"تو نے ایک ملعون، ایک گناہگار، ایک خبیث کی مدد کی ہے تجھے کوئی حق نہ تھا کہ اپنے قلب کو اپنے جسم سے اکھاڑ کر علٰحدہ کرنیکی کوشش کرتا۔"

"رحم! رحم! مجھے معاف کرو، بہت گرمی ہے، میں پھنکا جا رہا ہوں۔"

یہ ہوا، یہ ٹھنڈی ہوا کہاں سے آ رہی ہے۔ میرے سر کو کون تھپ تھپا رہا ہے۔ میں گھبرا کے اٹھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں، آنکھیں کھول دیتا ہوں۔ میرے مقابل میں اک ہاتھ ہے، جو میری پیشانی کو تھپ تھپا رہا ہے۔ اک ٹھنڈا ٹھنڈا ہاتھ۔

"ہاں، ہاں یہی جگہ، تمہاری انگلیاں جسے دبا رہی ہیں، وہی جگہ بہت درد

کر رہی ہے"

(۶۸)

"میں پانی پینا چاہتا ہوں"

"اچھا"

میرے منہ میں کڑوا پانی ڈالتے ہیں۔

"میں پانی پیونگا"

کمرہ لمبے لمبے اژدھوں سے اور افعیوں کے سروں سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جن کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ دیووں کے یہ سر بڑی بڑی داڑھیاں لگائے ہوئے ہیں اور دانت نکالے میری طرف ہنس رہے ہیں میں ان سے خوف کھاتا ہوں۔ مدد، مدد!

میرے سرہانے، ایک بڑھیا عورت کھڑی ہے، میں حیران و پریشان نظروں سے اُسے دیکھتا ہوں۔ وہ میرے اوپر جھک کر میرا حال دیکھتی ہے۔ اُس کے سر پر چادر ہے جس کے نیچے سے اُس کے حنائی بال نظر آرہے ہیں، اور وہ اک شیریں تبسم سے میری طرف مسکرا رہی ہے اس مسکراہٹ پر اُس کے چہرے میں شکنیں پڑ جاتی ہیں۔

یہ کمرہ کس کا کمرہ ہے؟ میں کون ہوں؟ کچھ خبر نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ بس پھنک رہا ہوں۔

"مجھے پانی پلاؤ"

"اچھا"

بڑھیا عورت، میز پر سے گلاس اُٹھا کر مجھے دیتی ہے۔

میں ٹھنڈا پانی آہستہ آہستہ پیتا ہوں۔

(۶۹)

"الغرض، ندیم! تم اس طرح خطرے سے نکلے"۔

میرا دوست، مشفقانہ نگاہ سے مجھے دیکھتا ہے۔ کمرے کے آتشدان میں آگ جل رہی ہے، میں اُسے دیکھتا ہوں۔ میرے ناطاقت ہاتھ، رضائی سے نکلے ہوئے، گھٹنوں پر پڑے ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے:۔

"ندیم! پورے پندرہ دن تم بیہوش رہے۔ بڑی بی کہتی ہیں کہ جب تم پر غفلت طاری ہوئی، اُس سے اک دن پہلے تم دردِ سر کی شکایت کرتے تھے۔

میرا دوست آتشدان میں لکڑی ڈالتا جاتا ہے اور کہتا ہے:۔

صُبح تمہیں اپنے بستر سے نکلا ہوا اور فرش کے قالین پر پڑا ہوا پایا۔ تم ار

پاس کاغذ پڑے ہوئے تھے اُن پر اک تحریر تھی جس کا سر نہ پیر۔ بالکل ہذیان۔ تمہاری مٹھیاں بند تھیں۔ بڑی بی گھبرا کے دوڑیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں۔ تمہارا رنگ بالکل زرد تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ تم مر گئے۔ اُس نے رونا اور چلانا شروع کیا۔ کمرے میں ہر چیز گڑبڑ تھی۔ اُس رات تم نے کیا کیا تھا۔ کچھ تمہیں یاد ہے"

"کچھ نہیں"

حالانکہ اُس رات لکھنے کی میز کے تمام درازوں کو تم نے اُلٹ پلٹ کر دیا تھا کونے میں لیڈیز کی جو چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی، اُسے بھی درہم برہم کر ڈالا تھا۔ زمین پر سیاہ گھنگھریالے بالوں کا لچھا، اور تمہاری بند مٹھیوں میں سفید جالی کا ٹکڑا پایا گیا۔

"سفید جالی"؟

"ہاں"

کمبل کے اوپر میں اپنی مٹھی کھول کر دیکھتا ہوں۔ میرے تھکے ہوئے ذہن میں کچھ خیال سا آتا ہے۔

"سفید جالی"؟

"ہاں، ہاں یاد آرہا ہے۔ میں نے اُس رات بہت بڑی بڑی سفید جالی دیکھی۔

مگر کہاں، کس کے سر پر؟ سوچتا ہوں، پھر پوچھتا ہوں:۔

"زمین پر سیاہ بالوں کے گچھے بھی پائے گئے؟"

"ہاں، وہ اُن دروازوں سے نکلے ہوئے زمین پر پڑے تھے جنھیں تم نے کھینچ کر پھر اندر نہیں کیا تھا"

اب مجھے ہر بات اچھی طرح یاد آگئی۔

"کوئی باغ، اُس میں کوئی قبر بھی پائی گئی تھی؟"

"ہاں"

میرا دوست حیرت سے میرے منہ کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے:۔

"ہاں، اُس صبح کو حسینہ کے شوہر کی ......" میں فقرا پورا نہیں ہونے دیتا اور کہتا ہوں:۔

"قبر کھلی پائی گئی؟

وہ میری طرف دیکھتا ہے۔

اُف! اب مجھے سب یاد آگیا۔ لکھنے کی میز اور زمین پر جو کاغذ ملے، وہ وہ سرگذشت ہے جو حسینہ نے لکھوائی۔ لاؤ، لاؤ۔" کریم، خادم، مجھ پر ایسی نظریں ڈالتا ہے گویا اُسے خوف ہے کہ میری بیماری پھر عود کر آئی۔ اور مجھ سے پوچھتا ہے:۔

"کونسی حسینہ کی لکھوائی ہوئی سرگذشت، وہ عجیب و غریب قصّہ جو بخار کی حالت میں آپ نے لکھا؟"

میں کہتا ہوں :-

"حسینہ کی سرگذشت، حسینہ کی سرگزشت۔"

(۷۰)

میں اپنے ہاتھوں کے کاغذوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کے، اپنے دوست سے کہتا ہوں :-

"کیا تم اب بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ قصّہ اُس نے حرف بحرف مجھ سے کہا؟"

"نہیں، ندیم، اُس رات بخار کی آمد آمد میں، تم نے یہ ہذیان لکھا، جبکہ تمہارا دماغ متاثر تھا۔"

"میں کہتا ہوں، میں اُس سے ملا، اور اُس نے مجھ سے اپنی زبان سے بیان کیا۔"

"ناممکن ہے ندیم، بیماری کی ابتدا تھی، اور تمہارے دماغ نے یہ واہمہ تمہارے سامنے پیش کیا۔"

"میں اتنا بڑا قصّہ خود کیسے ایجاد کر سکتا تھا۔"

"چونکہ تمہارا ذہن مدّت سے اُس تصویر میں مشغول تھا، جو ڈرائنگ روم میں

آویزاں ہے۔"

"مگر میں تو پندرہ دن سے ہر رات، اُسے باغ میں دیکھتا تھا۔"

"تُم پندرہ دن سے بیمار تھے اور تمہارا دماغ متاثر تھا۔ وہ کس طرح اس مکان سے غائب ہو گئی، یہ سب قصہ تم نے سُنا تھا جس تیز بخار میں تم پندرہ دن مبتلا ہوئے، یہ اُس کی ابتدائی علامتیں تھیں۔"

"میرے ہاتھ میں جو جالی کا کپڑا پایا گیا وہ کیا تھا؟"

"تم نے اُس رات اُس عورت کے کپڑوں کی الماریوں کی درازوں کو دیکھا بھالا تھا، اور تمہارے ہاتھ میں جو کپڑے کے ٹکڑے ملے، اُن کے دوسرے حصے درازوں میں پائے گئے۔"

"اچھا، قبر۔ قبر کیوں کھلی پائی گئی؟"

"اُسے بھی تم نے ہی کھولا۔ بخار کی پہلی رات تھی، اُسی کے زیر اثر تم نے جا کر قبر کھود ڈالی۔ سمجھے؟

یعنی حسینہ سے ملاقات، حسینہ کی سرگزشت، میں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا وہ......"

"سب میعادی بخار کی دماغی تاثیر کا نتیجہ تھا۔" یہ فقرہ اُس نے اپنے قطعی

یقین کے ساتھ کہا کہ میں بھی شبہ کرنے لگا۔

اُس نے کہا:" ندیم، تم صاحبِ ہوش و صاحبِ عقل انسان ہو، بھلا ایسی ناممکن باتوں پر بھی کہیں یقین کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں منطق و امکان سے خارج کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ہم قرونِ وسطیٰ میں نہیں، بیسویں صدی میں ہیں سمجھتے ہو؟"

(۱۷)

اچھا صاحب، ہم بیسویں صدی میں ہیں، بیسویں صدی والوں کی سی باتیں کریں۔ مگر نہ منطق، نہ عقل، نہ دلیل، کوئی میرے اس یقین کو میرے دل سے نہیں نکال سکتا، کہ اُس بیچاری عورت نے جو کچھ مجھ سے کہا، اُس کی ساری سرگذشت، محض میرے بخار کی تاثیر نہ تھی۔

اتنا زمانہ گزر گیا، میرے دل سے پورے صمیمیت کے ساتھ، اُس مضطرب و بیقرار عورت، اُس گنہگار روح کی مغفرت کے لئے دُعا نکلتی ہے۔ مگر اے میری روپوش، دھندلی سی نظر آنے والی محبّہ! میں تیرے کہنے کو پورا نہیں کرتا، کسی کو تیری سرگذشت نہیں سُناتا اس لئے کہ مجھ سے کہا جاتا ہے "ہم بیسویں صدی میں ہیں"، اب ایسے محیر العقول افسانوں پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ اب انسان بہت فلسفی ہو گئے ہیں۔ بہت

ترقی و تہذیب یافتہ ہیں"۔ تاہم اے حسینہ میں تجھ پر یقین رکھتا ہوں،
تجھے سمجھتا ہوں۔ میں تجھ پر اور تیری سرگذشت پر پورا یقین رکھتا ہوں؛
میں تیری مغفرت کے لئے خدا کی درگاہ میں دُعا کرتا ہوں۔ امید ہے
کہ تو مجھ سے خوش ہو گی۔

تمّت

جلال الدین خوارزم شاہ

یہ ترکی زبان کے سب سے زیادہ مشہور ادیب نامق کمال بے کے ایک عدیم المثال تاریخی ڈرامے کا ترجمہ ہے۔ ڈرامے کا زمانہ وہ جہان آشوب عہد ہے جب کہ چنگیز خاں ایک بلائے مبرم کی طرح دنیائے اسلام کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ ایک غیور و باحمیت بادشاہ جلال الدین اسلام کے لئے اس فتنۂ محشر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتا ہے۔ ڈرامے کا ہر صفحہ، ہر سطر، عشقِ اسلام، محبت وطن، الفت ملت کے جذبات عالیہ سے لبریز ہے۔ طرز بیان کے لئے اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ترکی ادب کی سحر طرازی کا بہترین نمونہ ہے۔ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ قیمت ... ... ۱۲؍ عصہ

حکایات و احتساسات

یہ کتاب سید سجاد حیدر صاحب کے مختصر افسانوں اور مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے یعنی اسے "خیالستان" حصہ دوم سمجھنا چاہیئے۔ تعداد صفحات ۲۳۶ قیمت ... ... ۴؍ عصہ

زہرا

(طبع ثانی)

یہ بھی ایک ترکی ناول کا ترجمہ ہے اور ترکوں کی معاشرت کا ایک اچھا نمونہ قیمت ۸؍

(ترا بم ترکی)

پُرانا خواب

اور

دو اور افسانے

یہ تین ترکی افسانوں کا مجموعہ ہے یعنی (۱) پُرانا خواب - ایک نہایت دلکش ڈراما ہے (۲) آسیب الفت - ایک مردہ عورت کی روح کی زبانی اُس داستانِ عشق (۳) مطلوبِ حسیناں - ایک ترک نوجوان اور ایک فرانسیسی لیڈی کی

اس مجموعہ کی قیمت عہ۸

یہ تینوں افسانے علیحدہ علیحدہ بھی شائع کیے گئے ہیں :

پُرانا خواب	قیمت فی جلد	۱۰
آسیب الفت	"	۱۲
مطلوبِ حسیناں	"	۸

ملنے کا پتہ

شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ - لاہور

دارالاشاعت پنجاب - ۱۹۵ ریلوے روڈ - لاہور

مسلم یونیورسٹی بک ڈپو - علی گڑھ